رجسٹرڈ　　رادھاسوامی سہائے　　نمبر ۱۲۱۱ اے

ست سنگت

بچنوں کا ماہواری سلسلہ

دیال جی مہاراج

کے تخیلات، مقولات، ارشادات اور فیوضات انھیں کی آسان اور عام فہم زبان میں

ایڈیٹر۔ مینیجر۔ پرنٹر۔ پبلشر

موتی لال مختار

مقام اشاعت رادھاسوامی دھام ڈاکخانہ رادھاسوامی دھام ضلع مرزاپور

سالانہ ہدیہ ؏ کلدار۔ سکہ حالی ؏ ممالک غیر سے مبلغ ؏

ہر نمبر کی قیمت ۱۲ ار یا زیادہ

سلیمی پریس یحییٰ پور الٰہ آباد

ست سنگت کے اُصول اور مقاصد

(۱) روحانیت پسند احباب کے درمیان تصوف اور حقانیت کے خیالات کی قومیت وملت ، اشاعت (۲) ہنیتہ مسلک اور طریقت کے مذہب اور مبہم مسائل کی آسان اور عام فہم عبارت میں صراحت (۳) مرنجان مرنج کے اُصول کی سختی کیساتھ پابندی عیسیٰ بدین خود موسیٰ بدین خود (۴) اعتراضی اور جارحانہ حملوں کا جواب دیتے ہوئے ۔ اخلاق ۔ نرمی ۔ انصاف اور اعتدال کا لحاظ رہیگا ۔ چھوٹائی بڑائی یا اونچے نیچے دکھانیکا خیال بالکل کالعدم رہیگا (۵) اپنی طرف سے کسی پر حملہ نہ کیا جائے ہر مذہب کے روشن پہلو پر روشنی ڈالنا تاریک پہلو اوروں کے حوالے (۶) نامہ نگاروں کی رائے کی ذمہ داری ایڈیٹر کی ذات سے منسوب نہ ہوگی اور نہ ایسی بات ست سنگت میں درج کیجائیگی جو اُصول کے خلاف ہوگی (۷) جملہ خط وکتابت و ترسیل زر بنام سوتی لال منیجر ست سنگت ، رادھاسوامی دھام ڈاکخانہ رادھاسوامی دھام ضلع مرزاپور

ڈیرہ بابا جیمل سنگھ بیاس کی کتابوں کا سلسلہ

(۱) رادھاسوامی نام ۸ (۲) چوتھا پد قیمت ۸ ، (۳) روحانیت حاصل کرنے کا طریقہ قیمت ۸ ، (۵) چتاونی (پند نامہ) رادھاسوامی قیمت ۸ ، (۶) تشریح ہدایت نامہ رادھاسوامی قیمت ۸ جن صاحبونکو اس سلسلے کے پڑھنے کی خواہش ہو درخواست براہ راست منیجر ست سنگت رادھاسوامی دھام ڈاکخانہ رادھاسوامی دھام ضلع مرزاپور کے نام بھیجیں ۔

ست سنگت کے اُصول اور مقاصد

(۱) روحانیت پسند احباب کے درمیان تصوف اور حقانیت کے خیالات کی
قومیت وملت و اشاعت (۲) نتیجہ مسلک اور طریقت کے مذبذب اور مبہم مسائل
کی آسان اور عام فہم عبارت میں صراحت (۳) مرنجان مرنج کے اُصول کی
کیساتھ پابندی عیسیٰ بدین خود موسیٰ بدین خود (۴) اعتراضی اور خار
حملوں کا جواب دیتے ہوئے۔ اخلاق۔ نرمی۔ انصاف اور اعتدال کا لحا
رہیگا۔ چھوٹائی بڑائی یا اونچ نیچ دکھانیکا خیال بالکل کالعدم ر
(۵) اپنی طرف سے کسی پر حملہ نہ کیا جائے ہر مذہب کے روشن پہلو پر روشنی
ڈالنا تاریک پہلو اوروں کے حوالے (۶) نامہ نگاروں کی رائے کی ذمہ دار
ایڈیٹر کی ذات سے منسوب نہ ہوگی اور نہ ایسی بات ست سنگت میں
کیجائیگی جو اُصول کے خلاف ہوگی (۷) جملہ خط وکتابت وترسیل زر بنا
سوتی لال منیجر "ست سنگت" رادھاسوامی دھام ڈاکخانہ رادھاسوامی دھام ضلع مرزاپ

ڈیرہ بابا جیمل سنگھ بیاس کی کتابوں کا سلسلہ

(۱) رادھاسوامی نام عہ (۲) چوتھا پد قیمت عہ (۳) روحانیت حاصل کرنے ک
طریقہ قیمت عہ (۵) چتاونی (پند نامہ) رادھاسوامی قیمت عہ (۶) تشریح
ہدایت نامہ رادھاسوامی قیمت عہ جن صاحبوں کو اس سلسلے کے پڑھنے
کی خواہش ہو درخواست براہ راست منیجر "ست سنگت" رادھاسوامی د
ڈاکخانہ رادھاسوامی دھام ضلع مرزاپور کے نام بھیجیں۔

ست سنگت ماہ
جون جولائی اگست
سنہ ۱۹۳۴ء

رادھاسوامی سہائے

جلد ۱۴ نمبر ۳
و جلد ۱۵
نمبر ۱ و ۲

پنتھ سندیش

اہل طریقت کا موثر اور عملی فلسفہ - عمل شغل اور یوگ کی
دل پسند واضح تفسیر - پنتھائیوں کے راز مخفی کے گرہ
کشائی کی کنجی - علم سینہ کی سفینہ میں لانے کی
کوشش کا نتیجہ

از تصنیف لطیف

مہرشی شیوبرت لال صاحب مہاراج

ایڈیٹر

موتی لال مختار
رادھاسوامی دھام - ڈاکخانہ رادھاسوامی دھام
ضلع مرزاپور

قیمت فی جلد
۸ر

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	صفحہ	نمبر	مضمون	صفحہ	نمبر	مضمون	صفحہ
۱	پوتر بچن	۵	۱۵	تیرھواں پیغام	۹۸	۲۹	ستائیسواں پیغام	۱۸۲
۲	دیباچہ	۸	۱۶	چودھواں //	۱۰۵	۳۰	اٹھائیسواں //	۱۸۸
۳	پہلا پیغام	۱۳	۱۷	پندرھواں //	۱۱۰	۳۱	انتیسواں //	۱۹۵
۴	دوسرا //	۱۹	۱۸	سولھواں //	۱۱۷	۳۲	تیسواں //	۲۰۵
۵	تیسرا //	۲۵	۱۹	سترھواں //	۱۲۲	۳۳	اکتیسواں //	۲۲۰
۶	چوتھا //	۳۶	۲۰	اٹھارھواں //	۱۲۷	۳۴	بتیسواں //	۲۲۵
۷	پانچواں //	۴۵	۲۱	انیسواں //	۱۳۵	۳۵	تینتیسواں //	۲۳۴
۸	چھٹا //	۵۶	۲۲	بیسواں //	۱۴۲	۳۶	چونتیسواں //	۲۴۳
۹	ساتواں //	۶۵	۲۳	اکیسواں //	۱۴۶	۳۷	پینتیسواں //	۲۵۲
۱۰	آٹھواں //	۷۳	۲۴	بائیسواں //	۱۵۱	۳۸	چھتیسواں //	۲۵۴
۱۱	نواں //	۷۷	۲۵	تئیسواں //	۱۵۶	۳۹	سینتیسواں //	۲۵۸
۱۲	دسواں //	۸۳	۲۶	چوبیسواں //	۱۶۰	∴	....	∴
۱۳	گیارھواں //	۸۷	۲۷	پچیسواں //	۱۷۰	∴	....	∴
۱۴	بارھواں //	۹۳	۲۸	چھبیسواں //	۱۷۷	∴	....	∴

پوتر بچن

(۱) آپ آپا کو آپ پچھانو
کہا اور کا نیک نہ مانو

ست پُرش رادھاسوامی دیال

(۲) جا کے گھر سکھ کا بھنڈار ٭ کیوں بھرمے پھر در در مارا
جیو۔ اچیت نہ چیتے بھائی ٭ گھر سکھ تج بن بن بھٹکائی
رادھاسوامی کہت بجھائی ٭ گر ست سنگ بوجھ تب آئی

ست پُرش رادھاسوامی دیال

(۳) جب لگ دیکھو نہ اپنے نینا
تب لگ مانو نہ گورو کے بینا

گورو نانک صاحب

(۴) گھٹ کا پردہ کھول کر سنمکھ لے دیدار
بال سنیہی سائیاں آدی انت کا یار

پرم سنت کبیر صاحب

(۵) گھٹ ہیں ہے سوجھت نہیں لعنت ایسے زند
نانک اس سنسار کو ہوا موتیا بند

گورو نانک صاحب

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	صفحہ	نمبر	مضمون	صفحہ	نمبر	مضمون	صفحہ
۱	پوترّ بچن	۵	۱۵	تیرھواں پیغام	۹۸	۲۹	ستائیسواں پیغام	۱۸۲
۲	دیباچہ	۸	۱۶	چودھواں "	۱۰۵	۳۰	اٹھائیسواں "	۱۸۸
۳	پہلا پیغام	۱۳	۱۷	پندرھواں "	۱۱۰	۳۱	انتیسواں "	۱۹۵
۴	دوسرا "	۱۹	۱۸	سولھواں "	۱۱۷	۳۲	تیسواں "	۲۰۵
۵	تیسرا "	۲۵	۱۹	سترھواں "	۱۲۲	۳۳	اکتیسواں "	۲۲۰
۶	چوتھا "	۳۶	۲۰	اٹھارھواں "	۱۲۷	۳۴	بتیسواں "	۲۲۵
۷	پانچواں "	۴۵	۲۱	انیسواں "	۱۳۵	۳۵	تینتیسواں "	۲۳۴
۸	چھٹا "	۵۶	۲۲	بیسواں "	۱۴۳	۳۶	چونتیسواں "	۲۴۳
۹	ساتواں "	۶۵	۲۳	اکیسواں "	۱۴۶	۳۷	پینتیسواں "	۲۵۲
۱۰	آٹھواں "	۷۳	۲۴	بائیسواں "	۱۴۹	۳۸	چھتیسواں "	۲۵۴
۱۱	نواں "	۷۷	۲۵	تیئیسواں "	۱۵۶	۳۹	سینتیسواں "	۲۵۸
۱۲	دسواں "	۸۳	۲۶	چوبیسواں "	۱۶۰	÷	-------	÷
۱۳	گیارھواں "	۸۷	۲۷	پچیسواں "	۱۷۰	÷	....	÷
۱۴	بارھواں "	۹۳	۲۸	چھبیسواں "	۱۷۷	÷	....	÷

پوتر بچن

(۱) آپ آپہا کو آپ پچھانو
کہا اور کا نیک نہ مانو

ست پُرش رادھاسوامی دیال

(۲) جا کے گھر سُکھ کا بھنڈار ٭ کیوں بھرمے پھر در در مارا
جیو۔ اچیت نہ چیتے بھائی ٭ گھر سُکھ تج بن بن بھٹکائی
رادھاسوامی کہت بُجھائی ٭ کر ست سنگ بوجھ تب آئی

ست پُرش رادھاسوامی دیال

(۳) جب لگ دیکھو نہ اپنے نینا
تب لگ مانو نہ گورو کے بینا

گورو نانک صاحب

(۴) گھٹ کا پردہ کھول کر سنمکھ لے دیدار
بال سنیہی سائیاں آدی انت کا یار

پرم سنت کبیر صاحب

(۵) گھٹ میں ہے سوجھت نہیں لعنت ایسے زند
نانک اس سنسار کو ہوا موتیا بند

گورو نانک صاحب

(٦) جو برہمنڈے سوئی پنڈے جو کھوجے سو پاوے
پیپا نجھ میں پرم تتو ہے ستگورو ہوئی لکھاوے

پیپا جی

(٧) جہاں رات نہیں دوس ہے پاپ پنیہ نہیں بیاپ
آدی آنت ارد مدھیہ ہے۔ کہیں چرنداس آپ

چرنداس

(٨) ستگورو ہے ستپرش اکیلا پنڈ برہمانڈ سے آگے میلا

یاری صاحب

(٩) پلٹو خاطر جمع بھئی ستگورو کے پرسنگ
کھوجت کھوجت مر گئے مگر ہی لاگا رنگ

پلٹو صاحب

(١٠) جان جملہ علمہا این است این ٭ کہ بدانی من کیم در یوم دین
قیمت ہر کالہ میدانی کہ چیست ٭ قیمت خود را ندانی ابلہی است
چشم بند و گوش بند و لب ببند ٭ گر نہ بینی سر حق بر من بخند

مولانا روم علیہ الرحمۃ

(١١) ستم است گر ہوست کشد کہ بسیر سرو سمن در آ
تو ز غنچہ کم نہ دمیدہ در دل کشا۔ بہ چمن در آ
پئے نافہائے رمیدہ بو مپسند زحمت جستجو
بہ خیال حلقۂ زلف او گرہے خورد بہ ختن در آ

ز سروش محفل کبریا ہمہ وقت میرسد ایں ندا
کہ بہ خلوت ادب وجو قاندر بروں نشدن درآ

مرزا بیدل علیہ الرحمۃ

(۱۲) یار ما ہر دم ست با تو کلیم
حیف تو نشنوی کلام قدیم
بشنوی یک کلام لامقطوع
از حدوث و فنا شود مرفوع
اوّل و آخرش چو بیحد شد
زاں سبب نام او بہ آمخد شد

شاہ نیاز علیہ الرحمۃ

معذرت

کارکنان رسالہ ست سنگت کی سخت علالت اور متعدد و مختلف پریشانیوں کیوجہ سے رسالہ وقت پر شائع ہوکر نذر ناظرین نہیں ہو سکا۔ میں خود عرصہ تک بستر دوست تھا۔ بابو رام کشور سنگھ صاحب کا اکلوتا لڑکا چیچک کے عارضہ میں مبتلا ہوکر انتقال کر گیا۔ انہیں سب بلائے ناگہانی کیوجہ سے ست سنگت کے نکلنے میں تاخیر ہوئی۔ یہ بلائیں آسمانی تھیں امید ہے ہمارے خریدار صاحبان اس توقف کیلئے صدق دل سے معاف فرمائیں گے۔

ستمبر و اکتوبر کے نمبروں میں تحفہ کشمیر حصہ اول نکل رہا ہے لاجواب کتاب ہے ناظرین شوق سے انتظار فرماویں۔ (موتی لال ایڈیٹر)

رادھا سوامی سبھا کے

دیباچہ

ان معدودے چند صفحات میں "سنت مت" یعنی رادھا سوامی پنتھ کے روحانی تعلیم کا بیان اختصار مگر صراحت اور وضاحت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ساتھ ساتھ سُرت شبد یوگ کے شغل کی اہمیت ضرورت اور فضیلت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کتاب اس وقت میں لکھی گئی تھی۔ جب مصنف مغربی ملکوں میں سیاحت کر رہا تھا۔ پاس نہ کوئی کتاب تھی نہ کوئی کتب خانہ تھا۔ کہ موقعہ بموقعہ پر اور تحریرات کا حوالہ دیتا جاتا۔ شروع شروع میں یہ انگریزی زبان میں لکھی گئی تھی۔

اس رسالہ کو اعلیٰ کتاب ہونے یا اصلی کتاب کہلانے کا دعویٰ نہیں ہے۔ جو کچھ مصنف نے سنتوں کے مقدس کتابوں میں پڑھا یا جو کچھ حضور معلی مقدس کے اپنے گنے دنوں کے ست سنگ میں سنا تھا۔ اسی کو اپنے ڈھنگ پر قلمبند کیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ سنتوں کی تعلیم روز روشن کی طرح صاف اور واضح ہے۔ اور اس حیثیت میں وہ نہایت قابل قدر اور قابل غور مضمون ہے۔ مگر جو لوگ سالکوں اور شاغلوں

کے دائرے سے باہر ہیں۔ ان کو اس تک رسائی حاصل کرنے کا موقعہ نہیں ملتا۔ اور علی الخصوص جو بلا سمجھے بوجھے ہر بات پر اعتراض جمانے اور نکتہ چینی کرنے کے عادی ہیں۔ وہ ہمیشہ ہی محروم رہے ہیں۔ یہ بات آج کی نہیں ہے نہ اس طریقہ پر اسی وقت عملدرآمد ہونا شروع ہوا ہے۔ بلکہ ہمیشہ سے تعلیم کے موتی کو ان ادھکاریوں سے پوشیدہ رکھنے کا اہتمام مدنظر ہے اور جہاں کہیں وجب کبھی تصوف کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا ہے اس بات کا لحاظ بھی ہوتا رہا ہے۔ پرم سنت کبیر صاحب جن کے عالمگیر اصول اور وسیع خیال کی ایک دنیا قائل ہے دھرم داس جی کو سکشا پردان کرتے وقت فرماتے ہیں ؎

دھرم داس توہی لاکھ دہائی
سار بھید باہر نہیں جائی

یعنی اے دھرم داس! تجھ کو قسم ہے۔ کہ تعلیم کے راز کا جو ہر باہر نہ جانے پاوے۔ دھرم داس کبیر صاحب کے چیلوں میں سب سے بزرگ اور قابل تعلیم سمجھے جاتے تھے۔

مذہبی و روحانی دنیا کی زبردست محقق۔ میڈم بلیوٹسکی نے تھیوسوفیکل سوسائٹی کی بانی مبانی حضرت شبد یوگ کے متعلق تحقیقات کے سلسلہ میں اس مضمون پر (بودھوں کے درمیان) ۳۹ جلدوں کی موجودگی کا پتہ لگایا۔ اور اس کے متعلق ایک مختصر اقتباسی رسالہ لکھا ہے۔ جس کا نام صدائے خاموشی وائس آف سائلنس رکھا ہے

اس کے دیباچہ میں اس نے بھی اسی قسم کے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ متذکرۃ الصدر جلدوں سے انتخابی مضمون کے ترجمہ کے وقت اس کو اقرار کرنا پڑا ہے۔ کہ ایسی دنیا کے لئے جس کی منتہائے حواس خمسہ کے طبقہ تک محدود ہے اور جو حد درجہ کی خود غرض ہے۔ انکا ترجمہ کرنا بے سود ہے (کیونکہ) وہ ایسی اعلیٰ العلیم سے مستفید ہونے کے لئے کسی طرح پر تیار نہیں ہے نہ اُس کو اصلی رنگ میں قبول کرنے کے لئے خواہشمند ہے جب تک انسان علم ذات کے حاصل کرنے کی طرف ہمہ تن مستعدی سے مائل نہ ہو تب تک وہ اس قسم کی تعلیم کے سننے کی طرف توجہ کے کان کو منعطف نہ کرے گا۔ مولانا جلال الدین رومی صوفیوں کے برگزیدہ پیشوا اسی ہدایت اور اصول کا اعادہ کرتے ہیں کہ

مُستمع گر نیست خاموشی بہ است

نکتہ از نا اہل گر پوشی بہ است

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر سُننے والا نہیں ہے۔ تو چُپ ہی رہنا بہتر ہے۔ ان ادھکاریوں اور غیر مستحق آدمیوں سے راز معرفت کے پوشیدہ رکھنے ہی میں بھلائی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ ادھکاری کم ہیں مگر ساتھ ہی کہا جا سکتا ہے۔ کہ دنیا میں ادھکاریوں کا بالکل ہی ابھاؤ بھی نہیں ہے ایسے لوگ ہیں جو بڑی سنجیدگی اور متانت سے علم ذات کے

مسئلوں پر غور کرتے ہیں۔ اور استقلال اور سرگرمی کے ساتھ اس کی تحصیل کی طرف مائل ہوتے ہیں اُن کی تعداد گو بہت ہی کم ہے مگر اُنھیں قلیل التعداد آدمیوں کے فائدہ کی نظر سے اس کتاب کے لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور ان کی بھلائی کو مد نظر رکھ کر اس کی موجودہ ترتیب کا اہتمام کیا گیا۔

اس میں شک نہیں مضمون مشکل ہے۔ اس کا ادا کرنا آسان نہیں ہے بہت سے ایسے لطیف خیال ہیں جنکے اظہار کے لئے مناسب لفظوں کا سرمایہ ہاتھ نہیں آتا۔ دل محسوس کرتا ہے مگر بیان نہیں کر سکتا زبان محسوس کرتی نہیں اگر وہ بیان کرے تو کیا کرے تاہم یقین کیساتھ اُمید کی جاتی ہے۔ کہ جو ادھکاری سرسری نگاہ سے بھی اسکو ایک مرتبہ ملاحظہ کریں گے۔ وہ کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہی حاصل کریں گے۔ کیونکہ اس قسم کے مطالعہ کرنے کی محنت ہی خود اس کا قیمتی انعام اور بیش بہا صلہ ہے اس کے پڑھنے سے دل میں نئے نئے خیالات پیدا ہوں گے۔ اور اس مضمون کی زیادہ تحقیق اور تجسُّس کا شوق اور حوصلہ ہو گا۔

امریکہ کے دورہ کے ارادہ سے پہلے مصنف کو خوش قسمتی سے پرم پُرش پنڈت برہم شنکر جی ایم اے مہاراج کی انگریزی تصنیف ڈسکورسز آن رادھاسوامی فیتھ" کے سرسری مطالعہ کا موقعہ مل چکا تھا۔ اس نادر بے بہا اور قابل قدر کتاب میں "سنت مت" کی تصویر کا یا خط و خال میں کھینچنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس ڈھنگ پر پنڈت جی مہاراج نے اپنی کتاب لکھی ہے۔ مصنف نے بھی اسی کی پیروی کرنی مصلحت سمجھی وہ

کتاب منتہیوں کے لئے ہے یہ مبتدیوں کے لئے ہے ابتدا اور انتہا کے درمیان جو فرق ہونا چاہئے۔ وہ ان دونوں کے درمیان موجود ہے۔ ہاں سابق الذکر کی زبان ذرا مشکل زیادہ ہے اس میں سلیس اور عام فہم عبارت میں نفس مطلب کے ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ کتاب اپنی حیثیت کے لحاظ سے محض ابتدائی کتاب ہے۔ ہاں یہ ارادہ ضرور ہے کہ جو باتیں اس میں لکھنے سے رہ گئی ہیں وہ بشرط موقعہ پھر کسی کتاب میں وضاحت سے زیر بحث آجائیں گی۔ گو ضروری مطالب جن کے جاننے کی عام آدمیوں کو خواہش ہوا کرتی ہے اس میں سب موجود ہیں۔

سنتوں کا مذہب بطور خود مکمل اور عالمگیر اصول پر مبنی ہے۔ اگر اس کتاب کے پڑھنے سے کسی کو کسی طرح کی غلط فہمی ہو۔ خواہ تصویر کش مصنف کو اس کے سراپا کھینچنے میں کامیابی نہ ہوئی ہو تو یہ اس کا قصور نہیں ہے۔ بلکہ اس کا ذمہ وار مصنف کی بدلیاقتی اور کم مائیگی کو تصور کرنا چاہئے۔

شیوبرت لال

پرگٹ ست گر سیچ کھپایا تو ❋ کہا اور کا نیک

پنتھ سندیش

پہلا پیغام

مذہب بالعموم ۔ مذہب فقراء بالخصوص

دیہہ مستی میں انسان کے لئے اس طبقہ میں بالخصوص مذہب ایک بہت بڑی برکت ہے ۔ اس کے ساتھ اور کسی شے کا مقابلہ نہیں کیا جاتا ۔ یہ ایک ایسی نادر اور بے بہا چیز ہے کہ اس کی قدر و قیمت کا تخمینہ لگانا انسان کی طاقت سے باہر ہے ۔ مذہب کی پیروی ۔ مذہبی مُراد کی تکمیل اور مذہبی مقصد حاصل کرنے کی کوشش بطور خود اپنا آپ نہایت زبردست انعام ہے ۔ اور اُس کے سلسلہ میں جو قلبی اطمینان اور روحانی تشفی ملتی ہے وہ اس قدر بے حد و حساب ہے کہ جس کا اندازہ لگانا مشکل ہے ۔ مذہب کی خوبیاں صرف یہاں ہی تک محدود نہیں ہیں

بلکہ وہ کچھ اور چیز بھی ہے۔ یہ علم ذات سے حاصل کرنے اور الوہیت کی اصلیت میں داخل ہونے کا سائنس ہے۔ خدا کے ساتھ انسان کے تعلقات کے سمجھنے خلقت اور آفرینش کی اعلیٰ اور اصلی سرچشمے کی تحقیقات کرنے اور سچائی میں داخل ہونے کے ارادہ سے تم اور کسی طریقے سے چاہے جس قدر اندھیرے میں ٹٹولتے رہو۔ چاہے جس قدر ہاتھ پاؤں مارتے رہو۔ چاہے جس قدر جدوجہد کرتے رہو۔ نتیجہ ہمیشہ ناکامیابی ہوگا۔ روحانی بادشاہت میں داخل ہونے اور اس کے اندر مستقل سکونت پانے کا امکان صرف مذہب کی مدد اور استعانت سے ممکن ہے اور کسی ذریعہ سے اُس تک رسائی حاصل کرنا امر محال اور کار دشوار ہے۔ مذہب ہم کو یہ تعلیم نہیں دیتا کہ مالک کُل کی جستجو باہر کی جائے وہ ہم سے جدا نہیں ہے اور نہ ہم سے علیحدہ ہے۔ اس کی تلاش اپنے اندر ہونی چاہیئے اس بات کو حق الیقین کے درجہ تک پہنچانا کہ مالک کل ہمارے اندر موجود ہے۔ اور وہ ہم سے الگ تھلگ نہیں ہے۔ مذہب کا خاص مقصد اور مذہب کی خاص مراد ہے۔

عام طور پر معمولی دل و دماغ کے آدمی سمجھتے ہیں کہ مذہب اور مذہبی اکتساب کا تعلق صرف عقیدے (فیوش)

سے منسوب اور مربوط ہے۔ جس میں عقلی مداخلت بیجا ہے اور
جس کی جانچ پڑتال کرنا غلطی میں داخل ہے یہ سخت بھول
ہے۔ سنت مت میں بالخصوص نہ اس پر کبھی زور دیا گیا نہ
اس مسئلہ پر خواہ مخواہ معتقد ہو کر کاربند ہونیکی ہدایت کیگئی
علم کی اور مختلف شاخوں کی طرح مذہب کا مضمون بھی مطالعہ
اور تفتیش کا مستحق ہے۔ اور جب تک کہ اُس کے نظری اور
عملی پہلو پر احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ نظر نہ ڈالی جائے
تب تک کسی آدمی کو مذہبی زمرے میں داخل ہونے اور
اُس کی اندھی پیروی کرنے کا قطعی اور شرطیہ حکم نہیں ہے۔
محض آنکھ بند کر کے کسی خاص قسم کے اعتقاد کا ہو رہنا ضرور
کا نفرت انگیز خیال ہے جس سے انسانی عقل فطرتی طور پر
بغاوت کرتی ہے۔ اور کوسوں بھاگنے اور دور رہنے کے لئے
موقعہ تلاش کیا کرتی ہے۔ اگر یہ دعوٰی ہے کہ دُنیا میں
مذہب دراصل اعلیٰ اور افضل برکت ہے۔ اور اگر بلاشک
وشبہ اس کی حیثیت ایسی ہی ہے۔ تو وہ سب سے زیادہ
توجہ کرنے سب سے زیادہ تحقیقات کرنے اور سب سے
زیادہ مطالعہ کئے جانے کا بھی استحقاق رکھتا ہے؛

یہ سچ ہے آسمان اور زمین کے اندر بہت سے ایسے
معمے ہیں۔ جن کی عقدہ کشائی میں انسانی عقل ہمیشہ قاصر

رہتی ہے اور اُن کی صراحت اُن کی وضاحت اور اُن کا حل انسان کے اطمینان کلی کے موافق نہیں کیا جا سکتا یہاں پر اگر یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ بہت سے راز باطن اور اسرار نہانی کا انکشاف عقل کی طاقت سے محال ہے۔ مگر اس کو ایک لمحے کے لئے بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہئے۔ کہ ان کا شمول مذہب کی ابتدائی تعلیم اور سچائیوں کی فہرست میں نہیں ہے۔ ابتدا میں ان کو چھوڑ دینا چاہئے اور قبل اس کے کہ اس تعلیم کو قبول کیا جائے اُس کا با احتیاط مطالعہ کر کے زندگی کے مقصد اعلےٰ اور اصلی منزل مراد کی تکمیل کی طرف ہدایت تلاش کرنا چاہئے۔ ہندوؤں کو جس مذہب کی ابتدائی آفرینش سے تلقین ہوئی ہے اُس کی تین صورتیں ہیں۔ کرم۔ اُپاسنا۔ اور گیان ؛

کرم کانڈ کے ذیل میں وہ تمام مسائل آ جاتے ہیں۔ جو ارکان شریعت رسم و رواج۔ مختلف قسم کی مذہبی پابندیوں اور جسم کی پرورش۔ پرداخت اور تربیت سے متعلق ہیں۔ مذہبی تعلیم کی ابتدا یہاں سے ہوتی ہے جس سے جسمانی نشوونما کے سلسلہ میں رفتہ رفتہ انسانی طبیعت کا رُخ خود بخود دلی و دماغی طاقتوں کی طرف مائل ہوتا ہے۔ جب تک کہ انسان دلی اور دماغی طاقتوں کی مشاقی کے قابل نہ بن جائے۔

تب تک اُس کو صرف کرم کرنے کا استحقاق ہے۔ تاہم ہر وقت مذہب کی معراج ہمیشہ نظر کے سامنے رہتی ہے اور انسان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ کبھی عادتوں کا غلام نہ بنے کیونکہ اگر احتیاط نہ کی گئی تو عادت دوسری فطرت بن جاتی ہے۔ کسی کام کی لگاتار مشاقی کی عادت انسان کو اپنا غلام بنا لیتی ہے۔ اور وہ اس طرح اس کی زندگی سے چمٹ جاتی ہے کہ اُس سے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ اس لئے کرم صرف ابتدائی منزل ہے۔ جس کو اُس وقت خیرباد کہنا چاہئے۔ جب کہ اُس کے سامنے اونچے اُٹھنے اور اونچے چڑھنے کا موقعہ اپنے آپ کو پیش کرتا ہے یا اُپاستا کا نذر دھیان اور عمل تصوّر ہے جو انسان کو مالک کے ساتھ رشتۂ تعلق جوڑنے کے قابل بناتا ہے۔ اس سے نہ صرف ضائع ہونے والی دماغی قوت پر قابو پانے کا موقعہ ملتا ہے۔ بلکہ اس کے سلسلے میں بتدریج ترقی کرتے ہوئے اس کو گیان کی سلطنت میں باریابی حاصل کرنے کی اہلیت اور قابلیت عطا ہوتی ہے۔

گیان کی مراد علم باطنی سے ہے۔ اس کا انحصار زیادہ حد تک بُدھی کی ترقی بُدھی کی نشوونما اور بُدھی کے قابو پانے پر ہے۔ بُدھی قدرت میں ایک عنصر لطیف اور شُدھ کشم تتو ہے۔ جو من تتو سے مختلف ہے اور روح سے بہت قریب ہے۔

یہ حالت من اور روح کے درمیان کی ہے یعنی وُہ من کے اوپر اور روح سے نیچے رہتی ہے اور اُس تک رسائی حاصل کر لینے سے روحانی طبقہ میں داخلہ کی سند پانے کا امکان ہو سکتا ہے۔ ہم بلا خوف تردید اس کو ساتوک پرکاش کی اوستھا کہہ سکتے ہیں۔ روحانی پرکاش کی اوستھا ابھی اس سے کوسوں دور ہے راہ میں ابھی اور مرحلے بھی ہیں۔ مگر راستہ اس میں اور اس کے درمیان سے ہو کر گیا ہے؎

بد قسمتی سے ان سب اصلاحات کی اصلی سمجھ مشکل سے آتی ہے غلط فہمیاں ہو جاتی ہیں اور منزل مقصود کے حاصل کرنے میں ناکامیابی ہوتی ہے اِن تین قسموں کی تکمیل زندگی کے مختلف فرائض کے انجام دینے کے ساتھ ساتھ بھی ہوتی رہتی ہے۔ جسمانی دلی اور دماغی قوتوں کی ترقی اور تحریک زندگی کے روزانہ جدوجہد۔ اردگرد کے حالات اور واقعات کے ساتھ مڈبھیڑ کرنے سے بھی ممکن ہے لیکن یہ بھول کر بھی نتیجہ نہ نکالنا چاہئے۔ کہ جسمانی۔ دلی اور دماغی مشاغل کے ساتھ ساتھ کبھی کسی حالت میں روحانی اکتساب کی تکمیل بھی ممکنات سے ہے نہ پہلے کبھی ایسا ہُوا۔ اور نہ اب ممکن ہے۔ قدیم مذہب میں ایک خاص طرح کی تربیت کا پتہ لگتا ہے جو فی زمانہ بہت کم آدمیوں کو معلوم ہے

اور جب تک اُس سے کام نہ لیا جائے یہ ممکن نہیں ہے کہ علم ذات حاصل ہو اور روح کو روحانی طبقے میں باریابی نصیب ہو۔

سنتوں کے مذہب کی یہ خوبی ہے کہ وہ انسان کو سارے مرحلوں کو نگاہ کے سامنے رکھ کر ایک اس قسم کے شغل کی تعلیم دیتا ہے۔ جس کی مدد سے اس کا پیروکار سچائی کی سلطنت میں داخل ہو کر حق الیقین کا رتبہ حاصل کر لیتا ہے۔ اُس میں کرم بھی ہے اُپاسنا بھی ہے۔ گیان بھی ہے اس میں شک نہیں کہ وہ ان کے کثیف اور استھول حقوں کو نظر انداز کرتا ہے۔ صرف لطیف پہلو کو قبول کرتے ہوئے نہایت سہل اور عام فہم پیرائے میں روحانی تکمیب سے یقینی ذریعہ اور عمل وشغل کو بتاتا ہے۔ جس سے بآسانی روحانی ترقی ملتی ہے اور جس کو ہم بتدریج آئندہ پیغاموں (ابواب) میں وضاحت کے ساتھ بیان کریں گے ؎

دوسرا پیغام

مذہب کی اصلی مراد اور اعلیٰ مقصد

آخر ہم کیوں اپنے آپ کو پابند مذہب بنائیں۔ اور کیوں اُس کسی پابندیوں کی زنجیر کو اپنے گلے کا طوق کریں

یہ سوال وہاں کئے جاتے ہیں۔ جہاں مذہب کی سچائی ذہن نشین نہیں ہوتی۔ اور بالخصوص جس طبقہ میں اُس کے اصل مقصد کو نہ سمجھ کر لوگ اندھا دھند پیروی کرتے ہیں اور اُس کی مُراد کو صرف ظاہری اڈمبر۔ ظاہری ارکان اور ظاہری پرستش کے رسم و رواج تک محدود رکھتے ہیں۔ مذہب غلامی کے طوق گھڑنے کا کارخانہ نہیں ہے۔ بلکہ برعکس اس کے وہ قیوّد اور بندھن سے کاٹنے کا ذریعہ اور یقینی تدبیر ہے جو مذہب انسان کے دل۔ زبان اور خیال کی آزادی چھینتا ہے اور اس کو بیہودہ طور پر پھنساتا ہے۔ وہ مذہب نہیں کہا جاسکتا۔ وہ سچائی کی مکروہ اور بگڑی ہوئی صورت ہے۔ وہ ایک طرح کا سانگ ہے اور جس قدر جلد انسان اُس کے قید بند کو توڑ کر اُس سے بھاگ جائے اتنا ہی اُس کے لئے مفید ہوگا۔ اس کی وجہ سے ظاہرا عقل کے پر و بال شکست ہو جاتے ہیں وہ وسیع خیالی کے بلند و مرتفع طبقہ میں پرواز کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ دِل ناپاک غلیظ اور مکدر ہو جاتا ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ ہندوؤں کے درمیان مذہب اور فلسفہ ہمیشہ سے ساتھ ساتھ چلتے آئے ہیں اس آریہ ورت میں جو درِ اصل مذہب۔ مذہبی خیالات اور ہر قسم کی فلاسفی کا مخزن۔ معدن اور سرچشمہ کہے جانے کا مستحق ہے ہر شخص کو استحقاق حاصل رہا ہے کہ جس طریق کے ساتھ اُس کو ہمدردی

ہو کر آزادی سے بلا خوف و خطر تعلق رکھتے۔ یہاں کبھی مذہب کے نام پر خونریزیاں نہیں کی گئیں اور نہ مذہبی عقائد کی وجہ سے کسی کو پھانسی دی گئی۔ روح پرست۔ مادّہ پرست آستک اور ناستک یہاں ہمیشہ سے پہلو بہ پہلو رہ کر اپنے مزاج اور طبیعت کے موافق مذہب کی تکمیل کرتے رہے ہیں۔ پہلے زمانہ میں کوئی نہ آجکل کی طرح مذہبی چھیڑ چھاڑ کرتا تھا۔ نہ مذہب کی وجہ سے کوئی کسی کا دست بگریباں ہوتا تھا۔ بلا شک باہمی خیالات کے تبادلہ کی غرض سے بات چیت ہوا کرتی تھی۔ سوال و جواب کے سلسلہ میں حقیقت تک رسائی پانے کی غرض سے مکالمے ہوتے رہتے تھے۔ اور لوگ بڑی شانتی اور سنجیدگی سے اُن میں دلچسپیاں لیتے رہتے تھے۔ سخت کلامی سے پرہیز تھا۔ دلآزاری سے گریز تھا۔ نہ کوئی کسی کی توہین کرتا تھا۔ نہ لعن طعن کی صدا بلند ہوتی تھی۔ یہ سبب ہے جس کی وجہ سے اس پاک اور مقدس سرزمین میں ہر قسم کے خیالات کے شعبوں اور ہر طرح کے فلسفہ کی شاخوں کو تکمیل و نشو و نما پانے کا موقع ہاتھ آیا اور تم کو سُنکر تعجب ہوگا۔ کہ اس عجیب و غریب ملک کے پہلے زمانہ کی تواریخ میں اکثر منکر دہریوں اور انیشور وادیوں تک کو کہیں کہیں رشی کے نام سے مخاطب کیا گیا ہے۔ ہندوؤں کے مشہور مکھ اور شنوں میں سانکھیہ شاستر کے معلم کپل کو نہ صرف رشی کی پدوی حاصل تھی۔ بلکہ وہ وشنو کا اوتار تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ

وہ بزرگ شخص ہے جو دُنیا میں فلسفہ کا باپ کہا جاتا ہے۔ اور اُس نے تواریخ کے نقطۂ نگاہ سے سب سے پہلے خلقت کے اسباب کی نہ صرف جانچ پڑتال کی ہے۔ بلکہ پیچیدہ روحانی مسائل مُعموں کا جواب انسانی عقل کے موافق دیئے ہیں اُس کے نام کی ہمیشہ سے عزت کی جاتی ہے اور مذہبی فلسفہ کے طالبعلم کو سب سے پہلے اسی کے خیال کے مطالعہ کرنے کی ہدایت ہوتی ہے ویدانت جو فلسفانہ خیال کی معراج تسلیم کیا جاتا ہے اپنی شاندار عمارت بالکل جُدی اور نرالی بناتا ہے اور بے خوفی اور غیر معمولی جرات کے ساتھ دنیا کے تمام نظاروں کو محض خیالی بتاتا ہے جن کی اپنی کوئی ہستی نہیں ہے اوّل الذکر دویت واد ہے آخر الذکر کو ادویت واد کہتے ہیں۔ تم کو ایک بھی ایسا ویدانتی نہ ملے گا۔ جس نے غور کے ساتھ پٹے کپل کے سانکھیہ کا مطالعہ نہ کیا ہو۔ پس اسی ایک مثال سے بخوبی ذہن نشین ہو سکتا ہے کہ مذہب کے نام پر لڑنے جھگڑنے کی کبھی یہاں ضرورت لاحق نہیں ہوئی۔ آریہ ورت میں لوگ اس بات کو شروع ہی سے سمجھتے آئے ہیں کہ مختلف طبیعتوں کی موجودگی میں ممکن نہیں ہے۔ کہ کوئی ایک قسم کا مذہبی خیال سب کو اپنی طرف یکساں ڈھنگ پر مائل کر سکے۔ سب کو موقعہ حاصل ہونا چاہیئے۔ کہ جو طریق جس کسی کو پسند ہو۔ وہ اس کو اختیار کرے اور اس کے سلسلہ میں اپنی روحانی ترقی کی تدبیر تلاش کرے۔

ان میں فرق ضرور ہے۔ اور فرق ہونا بھی چاہئے انسان کی عقلی نمو کے مدارج کے لحاظ سے ہمیشہ مذہبی اختلافات کا رہنا ممکن ہے۔ جس طرح مختلف و متعدد مدرسے خاص خاص قسم کی تعلیم دیتے ہوئے انسان کی تکسیب معاش میں مددگار ہوتے ہیں۔ اسی طرح مذہبی سلسلے خاص خاص طبقہ کے متعلق اپنے مقصد کی تکمیل کراتے ہیں۔ لڑکے کا مذہب بالغ شخص کا مذہب کبھی نہیں ہو سکتا۔ مگر اس کی بھی اپنی حیثیت و درجے کے لحاظ سے اہمیت ہے مذہب کی برکت کے حصہ دار سب ہی ہیں۔ کسی کو اس سے محروم نہ رہنا چاہئے سب اپنا اپنا کام کرتے ہیں اور تمیز و عقل کی ترقی کے ساتھ اس اعلیٰ مقصد کی طرف اشارہ کی انگلی اٹھاتے رہتے ہیں۔ جو بلا استثنا سب کی مراد اولیٰ اور علت غائی ہے۔ سنتوں نے فرمایا ہے کہ مذہب راستہ کا نام ہے اور یہ وہ راستہ ہے جو انسان کے اپنے گھٹ کے اندر سے ہوتا ہوا گیا ہے مذہب صرف ذریعہ اور مقصد حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔ وہ مقصد نہیں ہے مقصد اور ذریعے کے درمیان فرق ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ بلا ذریعہ کی مدد کے مقصد تک یہ مشکل رسائی ہوتی ہے وہ ضروری اور لازمی شئے ہے مگر یہ بھول کر بھی خیال نہ کرنا چاہئے کہ ذریعہ ہی بطور خود مقصد ہے۔ سڑک کھلی ہوئی ہے اس پر چلنے سے منزل مقصود تک

پہنچنا ہوگا۔ لیکن اگر کوئی شخص سڑک کو منزل مقصود سمجھ کر اس میں اٹک رہے تو یہ اُس کی اپنی غلطی ہوگی ؏

مذہب کی ابتدائی قیدیں بھی غلام بنانے کی غرض سے نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک قسم کا تادیبی سلسلہ ہے۔ جس کی مدد سے من پر قابو پاکر راہ پر چلنے کی طاقت آتی ہے۔

مذہب کا مقصد یہ ہے کہ انسان

(۱) خوش رہے۔ آنند دائمی کی حالت حاصل کرے ؏

(۲) لافانیت کا حصہ دار بنے ؏

(۳) گیان کی پراپتی کرے ؏

انسان فطرتاً چاہتا رہتا ہے کہ اس کو

(۱) دُکھ کے خطرے سے نجات ملے ؏

(۲) وہ موت اور فنا کا شکار نہ ہو ؏

(۳) وہ اگیانی نہ رہے ؏

انسان کی ساری ترقیوں کا مقصد صرف انھیں تین باتوں تک محدود ہے۔ ان کے سوا اور کوئی چوتھی بات نہیں ہے اگر مذہب کو ان تین ضروری مسائل کے سلجھانے کا ذریعہ تسلیم کر لیا جائے۔ جو وہ بالیقین ہے۔ تو مذہب کی اہمیت خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے۔ مذہب کی اصلی مراد یہی ہے کہ انسان خوش رہے۔ دائمی ہستی حاصل کرے۔ اور گیان کے

حاصل کرنے میں اس سے مدد لے ؛

ان سے بہتر اور دلآویز تر اور کیا باتیں ہو سکتی ہیں ۔ یہی مذاہب کے تین مقاصد ہیں جن کی تشریح آیندہ ابواب میں آئے گی ؛

تیسرا پیغام

سُکھ

جس مخلوق نے زندگی کے سلسلہ میں دلی اور عقلی احساس کی طاقت حاصل کر لی ہے ۔ اس میں قدرتی طور پر سُکھ کی تلاش کا مادہ نظر آتا ہے ہر ذی حس جاندار سُکھ چاہتا ہے ۔ رات دن اسی کا ذکر اور لمحہ لمحہ اسی کا فکر رہتا ہے ۔ بیداری میں تو وہ تکسیب اور تحصیل کی چیز معلوم ہی ہوتی ہے ۔ جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ حالت خواب میں بھی اسی کا سُپنا دیکھا جاتا ہے ۔ اور اُسی کی خواہش رہتی ہے پڑھنا لکھنا نوکری چاکری ۔ سیر و تماشہ ۔ محنت و مشقت ۔ خوشامد چاپلوسی ۔ غرضیکہ ہر ایک بات صرف سُکھ حاصل کرنے کے لیے کی جاتی ہے ۔ دنیا کا تمام بیوپار ہی سُکھ کے

واسطے ہے:

نہ صرف ہمارا معمولی بیوہاری سکھ کے حاصل کرنے کے واسطے ہوتا ہے بلکہ جسم کے تمام رگ و ریشہ اور پرزے بھی اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے کام کرتے ہیں جو چیز جذب ہو کر جسم میں مل کر سکھ کا باعث ہوتی ہے۔ اُس کو تو ہم قبول کر لیتے ہیں اور جو چیز اُس کے برعکس ہوتی ہے اور سکھ کے حاصل کرنے میں خلل انداز ہوتی ہے۔ اس کو کسی نہ کسی شکل میں ہم خارج کر دیتے ہیں۔ مثلاً جس وقت کوئی فاسد مادہ ہمارے جسم کے اندر داخل ہوتا ہے جسم کے پرزے یہ کوشش کرتے کہ وہ جذب ہو کر جزو بدن بن جائے اور مماثلت اور ہم آہنگی کے قانون کے زیر اثر اسی کام میں مصروف ہو جس سے تکمیل کی طرف سارا جسم رات دن راغب اور مائل رہتا ہے برعکس اس کے اگر وہ جذب ہونے کے قابل نہیں ہے۔ تو اُس کے خارج کرنے کی تدبیریں سوچی جاتی ہیں اور دل کی تمام قوت مجموعی حیثیت میں اسی طرف لگ جاتی ہے۔ اور اس کو نکال کر تب چین لیتی ہے۔

رغبت اور نفرت کے نظارے جو ہر جگہ دیکھے جاتے ہیں ان سے اس بات کا پتہ لگتا ہے کہ کس کو ہم اپنے سکھ کا ذریعہ بنائیں۔ اور کس سے علیحدگی رکھیں۔ خیالی

دنیا میں بھی اس طرح خوشگوار اور ناخوشگوار خیالات کی کیفیت رہتی ہے۔ ہماری روز روز کی غلطیاں اور روز روز کے تجربات آہستہ آہستہ اس بات کے جاننے کے قابل بناتے جاتے ہیں۔ کہ سکھ کے حاصل کرنے کی کونسی مناسب تدبیریں عمل میں لائی جائیں۔ اختلافات کے پردہ میں ہر جگہ مختلف حالتیں اور مختلف صورتیں نظر آتی ہیں۔ یہاں ان سے کسی صورت میں بچاؤ نہیں ہے کیونکہ یہاں مرکب رہنا ہوگی۔ وہاں اس قسم کے نظارے ہمیشہ پیش نظر رہیں گے۔ اس لئے ہم میں سے ظاہری طور پر عملاً ہر ایک نے سکھ کے خیالی معراج کی صورتیں جداگانہ ہوا کرتی ہیں اور جس نے جس روپ میں اس وقت تک کے لئے سکھ سمجھ لیا ہے اس کی تلاش جستجو اور دوڑ دھوپ میں اسی طرح کی محنت کرتا رہتا ہے سکھ اصل میں کیا ہے۔ اس کی سمجھ کمتر آدمیوں کو ہوتی ہے۔ مگر سکھ کی مراد کی چاہ ہر دل میں قایم ہے۔ اس کی تصریح اس وقت تک نہیں کی جا سکتی جب تک عقل کی نشوونما خاص قسم کی نہ ہو۔ مگر حس سب میں موجود ہے۔ اور جس وقت جس کی جیسی سمجھ ہے۔ اس کے موافق وہ ویسی خیالی شکل قائم کرکے اس کے پیچھے دوڑتا ہے اور عرصہ تک دوڑتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ نیکی بدی۔ برائی بھلائی سب کچھ اسی ایک مقصد کے لئے کی جاتی ہے ہم اول

و مذاق و تمسخر کی عادت کو بھی اسی سُکھ حاصل کرنے کے لئے سمجھتے ہیں۔ یہ دوسری بات رہی کہ وہ اصل میں سکھ حاصل کرنے کے یقینی ذریعے ثابت ہوتے ہیں یا نہیں مگر مطلب وہی ہے الغرض یہاں ہر ایک سُکھ کی معیار اُس کی ہئیت اور اُس کی حیثیت کچھ دلوں کے لئے مختلف ہوا کرتی ہے ایک آدمی ہے جس نے دولت کو سکھ سمجھ رکھا ہے۔ اور ہر قسم کی جفاکشی اور محنت اُسی کے لئے کر رہا ہے۔ دوسرے نے کھانے پینے میں سکھ مان لیا ہے اسی کی ترنگ میں بہا جاتا ہے۔ تیسرے نے عیش و عشرت اور لذات نفسانی کو اپنے سکھ کی انتہا مان لی ہے۔ اسی کی پیروی میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے سارے حوصلے۔ دل کے تمام جذبات اور اُمنگ یکرخ ہو کر اسی مرکز کی طرف لگ جاتے ہیں اور وہ سمجھتا ہے کہ بس جو کچھ سکھ کا روپ اُس نے سمجھ لیا ہے وہی درست اور ٹھیک ہے مگر محنت۔ مشقت سرگرمی اور جد و جہد کے سلسلہ میں ہر ایک شخص کی زندگی میں تجربات اور مشاہدات کی وسعت کے ساتھ ساتھ ایسا وقت آجاتا ہے۔ جب وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوتا ہے ہوائی قلعے مسمار ہو جاتے ہیں۔ خیالی محلوں کی بنیاد برباد ہو جاتی ہے تب اُس کی حالت قابل رحم ہو جاتی ہے اور وہ ایسا دُکھی ہو جاتا ہے

کہ قلم اور زبان سے اُس کا بیان نہیں کرسکتا۔ حکومت اور اختیار دولت اور حرمت۔ علم اور عقل سکھ ثابت نہیں ہوتے۔ وہ پچھتاتا ہے اور گھبراتا ہے اور پشیمان ہوکر جاننا چاہتا ہے کہ میں اب تک کیا کرتا تھا اور پھر اُس کی توجہ کا رخ دوسری طرف خود بخود چلا جاتا ہے کسی کسی کی تو یہ حالت اسی موجودہ انسانی زندگی کے درمیان ہو جاتی ہے اور وہ سنبھل جاتا ہے۔ کوئی دیر سے سنبھلتا ہے کوئی اور جنم میں سکھ کی اصلی مُراد کا انبھو کرتا ہے ؂

جو کچھ کیا جاتا ہے یا کیا جارہا ہے۔ وہ حقیقت میں صرف ذریعہ محض ہے مقصد نہیں ہے مقصد اور ذریعہ میں فرق رہتا ہے اور ان دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ دولت اقتدار حکومت اور اختیار ممکن ہے کہ سکھ کے سادھن ہوں۔ مگر اصل میں وہ سکھ کہاں ہیں؟

ان ذریعوں کی صورتیں بھی عجیب عجیب ہوتی ہیں۔ جس وقت عالم اسباب میں انسان کسی شے کو اکٹھا کرنے لگتا ہے۔ اس کی ہوس بڑھ جاتی ہے ہوس کی ترقی رنج و ملال کا باعث ہوتی ہے۔ رحیہ تو مل گیا۔ مل رہا ہے۔ ملنا لازمی تھا کیونکہ جدھر دل محنت کے ساتھ مائل ہوگا اس کو ضرور ہی حاصل کرلےگا۔ کسی کی محنت رائگاں نہیں جاتی۔ کرم کا پھل تو ضرور ہی ہوتا ہے مگر اُس کی زیادتی انجام میں ہوس

فکر اور رنج کو بڑھاتی جاتی ہے اور سب مل ملا کر اس کے پھانسنے کی زنجیر اور دام بلا ثابت ہوتی ہیں۔ ہوس بڑھ گئی۔ دولت اکٹھی ہو گئی۔ اب اُس کی محافظت کا خیال پیدا ہوا۔ مضبوط گھر بنایا گیا۔ اچھے اچھے آہنی صندوق فراہم کئے گئے۔ چوکیدار رکھے گئے۔ دل میں خوف رہتا ہے کہ کہیں کوئی چور نہ لیجائے۔ اگر چور کا ڈر نہیں تو اپنے عزیز و رشتہ داروں کے مکر و دھوکے کا خوف رہتا ہے اگر ان کا خطرہ نہیں تو سرکار دربار کا خوف مسلط ہوتا ہے۔ ایسا نہ ہو۔ کوئی رشوت خوار حاکم کسی مقدمہ میں پھنسا لے۔ خوشامد برآمد۔ جھوٹ سچ تملق و چاپلوسی سیکھنی پڑی۔ بھلا ایسی حالت میں کب ممکن ہے کہ وہ دولت کا سکھ بھوگ سکے۔ عجیب کشمکش کی حالت ہے نہ اُسکو رکھ سکتا ہے نہ چھوڑ سکتا ہے؎

دوگونہ رنج و عذابست جانِ مجنوں را ؎ بلائے صحبتِ لیلیٰ و فرقتِ لیلیٰ

کوئی دوسرا شخص اس حالت کو نہیں سمجھتا سمجھے وہ جس کے سر پر پڑے۔ کسی شاعر نے سچ کہا ہے؎

اگر دنیا نہ باشد دردمندیم ؎ وگر باشد بمہرش پائے بندیم

بلائے زیں جہاں آشوب تر نیست ؎ کہ رنج خاطر است ارہست ور نیست

من ہیں شانتی نہیں۔ پریشان ہیں اور دکھی ہیں۔ اکثر دولتمندوں کو کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ مفلس اچھے ہوتے ہیں

نے غم دنددو نے غم کا لا" مگر کیا یہ اپنی حالت وحیثیت کو کسی مفلس کی حالت سے تبدیل کرنے کے لئے تیار ہیں رام رام کہو۔ یہ باتیں ہیں۔ کیا کشمکش کی کیفیت ہے۔ سانپ اور چھچھوندر کا حال ہے نہ وہ اس کو نگل سکتا ہے۔ نہ چھوڑ ہی سکتا ہے تم نے کبھی اس قصہ کو سنا ہے کہ نہیں اگر نہیں سنا ہے تو ہم سناتے ہیں کون جانے صحیح ہے یا غلط۔ راست ودروغ بر گردن راوی مگر قصہ سبق آموز ضرور ہے۔ سانپ نے ایک چھچھوندر پر حملہ کر کے اس کو پکڑ لیا۔ منہ میں دبا بیٹھا اب اس کو معلوم ہوا کہ یہ چھچھوندر ہے۔ کیونکہ چھچھوندر میں ایک خاص قسم کی بدبو ہوتی ہے جو اس کو چھچھوندر سے تمیز کراتی ہے۔ اگر وہ اس کو نگل لیتا ہے تو کوڑھی ہو کر بیماری کا صدمہ اٹھاتا ہے۔ اگر چھوڑ دیتا ہے۔ تو اندھا ہو جاتا ہے۔ غریب کیا کرے کیا نہ کرے یہ حال اکثر ان دولتمندوں کا ہوا کرتا ہے۔ امریکہ سب سے زیادہ دولتمند ملک ہے۔ یہاں ہزاروں کروڑپتی ملیں گے جو دلی مصیبتوں میں گرفتار ہیں۔ غلطی سے روپیہ کو سکھ کا آدرش سمجھا تھا۔ وہ غلط ثابت ہوا۔ ناداں کو مقصد اور اس کے حصول کے ذریعہ کی سمجھ نہیں آئی۔ بہتیرے خودکشی کر بیٹھتے ہیں یہ اُن کی محنت ومشقت کا انجام ہوتا ہے اس سے کیا یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ کہ دولت سکھ کی اصلی صورت نہیں ہے۔ کبھی کبھی رونگا ہیں گھاٹا آتا ہے۔

دیوالہ نکل جاتا ہے۔ اس وقت کی کیفیت کچھ نہ پوچھو۔ ان لوگوں کو بہت دنوں کے بعد جاکر تب سمجھ آتی ہے۔ کہ سکھ کیا تھا۔ کہاں تھا۔ کس میں تھا۔ مگر کہاں کس میں اور کس صورت میں اس کے ساتھ تعلق پیدا کرنا پڑا۔ مگر سکھ ضرور ہے۔ اس کی ہستی سے انکار کون کر سکتا ہے؟ خودکشی کیوں کی جاتی ہے۔ بہتر حالت کے خیال سے جو سکھ کی دوسری شکل ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔

دوسرے لوگ اندریوں کے بھوگ بلاس میں سکھ سمجھتے ہیں۔ لذات نفسانی سے اوپر ان کی نگاہ نہیں جاتی جو کچھ ہے بس اندریوں کے مزوں میں ہے کھایا پیا۔ عیش اڑایا۔ رنگ رلیاں منائیں۔ ایسا ہوا پیٹ بیماری کا گھر ہوتا ہے۔ اندریوں کے دام میں پھنسا ہوا آدمی کسی وقت تندرست نہیں رہ سکتا۔ اس کی محتاجگی بڑھتی جاتی ہے پریشان ہے۔ ڈاکٹر اور حکیم کا زر خرید غلام۔ کہنے کو وہ لاکھ کہے کہ

اب تو آرام سے گذرتی ہے ؎ عاقبت کی خبر خدا جانے

مگر عقبیٰ و عاقبت تو ابھی دور ہے۔ اسی زندگی میں چند ہی روز بعد وہ جان جاتا ہے کہ خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم ہم تہذیب اور اخلاق کے خیال سے لذات نفسانی کے

نتائج کو صاف لفظوں میں بیان نہیں کرنا چاہیئے۔ خود انسان سوچ سمجھ کر بہت نتیجے نکال سکتا ہے۔ ہاں ایک ہندو شاعر کے کلام کا یہاں اعادہ کرنا مصلحت معلوم ہوتا ہے وہ کہتا ہے "دھوکا نہ کھاؤ فریب میں نہ آؤ۔ اندریوں کے بلاس سے حتی الامکان دور رہو۔ ورنہ وہ ایسی مار ماریں گے کہ چلاتے اور شور مچاتے رہو گے۔ اندریاں پانچ ہیں آنکھ (سماعت) ناک (شامہ) کان (سامعہ) چرم (لامسہ) اور ذائقہ اور اُن کے لذات بھی پانچ ہی ہیں ؛ رُوپ (حُسن) گند (خوشبو) شبد (آواز) سپرش (چھونا) اور رس (ذائقہ) اگر ایک ہی اندری سے ضرورت سے زیادہ تعلق ہے تو پریشان ہو گے اور اگر سب کے جال میں گرفتار ہو تو پھر تمہارے حال پر ایشور رحم کرے پروانہ نے شمع کو دیکھ کر حُسن پرستی کی۔ جل کر خاک ہو گیا۔ بھنورا نے کنول کی خوشبو سے دل لگایا سورج کے ڈوبتے ہی اُس کی پنکھڑیوں کی تہ میں پھنس گیا ہرن بین کے نغمہ پر فریفتہ ہُوا تڑپتا ہوا۔ بجانے والے کے پاس آیا وہ اسی تاک میں تھا۔ اُس کے گلے پر بیرحمی کی چھری پھیر دی۔ مچھلی چارہ کو دیکھ کر بنسی کی طرف جھکی کانٹے میں پھنسی۔ ماری گئی۔ ہاتھی نے ہتھنی کے ملائم جسم کو چھُوا۔ مصیبت کی خندق گرا۔ اور غلامی کی زنجیر سے باندھ دیا گیا اور جنگل کی آزادی کی زندگی کو مجبور ہو کر خیرباد کہا ؛

تل پتنگ مرگ مین بھرنگ گج جرت ایک ہی آنچ + تلسی وہ کیسے جئیں جسکو دہین پانچ

یہ شاعرانہ طرز بیان ہے۔ مگر سچائی ہے۔ شبد۔ سپرش۔ روپ رس۔ گندھ۔ سب ہی دکھ اور مصیبت پیدا کرنے والے ہیں۔ ایک ایک وشے کا یہ حال ہے اس کی نسبت کیا کہا جائے جو پانچوں میں مبتلا ہے۔ اس کو نہ یہاں سکھ ہے۔ نہ وہاں سکھ ہے۔

جو لوگ لذاتِ نفسانی کے شکار ہیں۔ اور انہیں کے حاصل کرنے کی فکر میں رات دن غلطاں اور پیچاں رہتے ہیں بہت آسانی کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ اپنے آپ میں نہیں ہیں ان کی آزادی کسی اور کے ہاتھ میں ہے۔ اور جب آزادی چھین لی گئی تو پھر سکھ کہاں!

زندگی کے اس حصے کی خوشیوں کا یہ حال ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں صاحب غور کے لئے اسی قدر پیغام سنانا کافی ہے۔

جو لوگ جسم میں اور جسمانی تعلقات میں خوشی تلاش کرتے ہیں وہ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں جسمانی زندگی ان کی کشش کی باعث ہے اور وہ دعویٰ کے ساتھ کہا کرتے ہیں کہ جو کچھ ہے۔ یہی ہے جو کچھ سکھ ہے۔ اسی میں ہے۔ اس کے علاوہ اور کہیں بھی سکھ نہیں ہے۔ مگر تجربہ کیا کہتا ہے۔ ایک وقت آ جاتا ہے۔ جب رگ اور ریشے ڈھیلے

ہو جاتے ہیں۔ دوا علاج کرنے پر بھی اُن میں جوش نہیں آتا۔ اندریاں کمزور ہو جاتی ہیں اور اندریوں کا سُکھ کافور ہو جاتا ہے۔ پھر کیوں عاقل انسان اپنے آپ کو اُن کے پیچھے ہلاک کرے اور کیوں نہ کسی ایسے مستقل سکھ کی تلاش کرے۔ جو لازوال ہے۔ اپنے اختیار کا ہو اور باسانی میسر آسکے۔

اگر غور کی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ اندریوں کا سُکھ نہیں ہے۔ جس کی انسان کو تلاش ہے۔ بلکہ اُسکو صرف سکھ کی ضرورت ہے۔ وہ "سکھ" کا شیدائی ہے اور اسی سُکھ کے لئے تدبیریں سوچتا رہتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ حالت موجودہ میں وضاحت کے ساتھ اس سُکھ کی سمجھ نہ آئے۔ مگر کون کہہ سکتا ہے کہ ہم کو سُکھ کی خواہش نہیں ہے۔ ہم سکھ چاہتے ہیں سکھی رہنا چاہتے ہیں اور سکھ ہی کے لئے طرح طرح کے سادھن کیا کرتے ہیں۔ سنت فرماتے ہیں کہ اے بھولے ہوئے انسان یہ سُکھ تیرے باہر نہیں ہے۔ بلکہ تیرے اندر چھپا ہوا ہے۔ اگر تو ایک مرتبہ اس کی شکل کو سمجھ لے۔ اور ذرا مستعدی کے ساتھ اس کی تلاش کرے تو وہ تجھ کو اپنے اندر نصیب ہوگا۔ اور تو ہمیشہ کے لئے سکھی بن جائے گا۔

.... ⁂ ....

چوتھا پیغام

علم اور گیان

ہم دنیا میں اپنے ساتھ تحقیقات کا مادہ لے آتے ہیں۔ اور پیدا ہوتے ہی تفتیش اور استفسار کے علامات دکھانے لگتے ہیں۔ لڑکا روشنی کو دیکھ کر اس کی طرف توجہ اور غور کے ساتھ مائل ہوتا ہے اور اس کے ساتھ کھیلنے لگتا ہے۔ ماں کی شکل و صورت اور خط و خال اس ننھے دل کے لئے کھلی ہوئی کتاب ثابت ہوتی ہے اور وہ اس کے رنگ و روپ کو دیکھتا ہوا اس سے تعلق پیدا کرنے کا خواہشمند ہوتا ہے۔ جہاں بچے کے سامنے کوئی نئی شکل و صورت آئی۔ اس نے فوراً اپنی انگلیوں سے اس کے ناک۔ کان۔ آنکھ۔ پیشانی کو ٹٹولنا اسی طرح پر شروع کیا۔ جیسے مکتب میں لڑکے حروف تہجی کو اپنی انگلیوں سے شمار کرتے ہوئے پڑھتے ہیں۔ گھڑی ٹک ٹک کرتی ہے بچہ اپنے کانوں کو جھکا کر اسے سننے لگتا ہے۔ ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ ہم سب فطرتاً علم کے واقعات کے شیدائی ہیں۔ اور جو

چیز سامنے آتی ہے نظر حیرت سے دیکھتے ہوئے اُس کی اصلیت جاننے کے متمنی ہوتے ہیں لڑکپن ہی سے یہ سوال ہماری زبان پر رہتے ہیں۔ یہ کیا ہے؟ یہ کیوں ہے؟ یہ کہاں سے آیا ہے؟ یہ کیا ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ یہ استفہامیہ جملے ساری زندگی ہمارے لبوں پر رہتے ہیں۔ بچوں کی توتلی زبان وقتاً فوقتاً ان کا اظہار کرتی رہتی ہے۔ اور بک بک کرنے والے بوڑھے آدمی آخری وقت تک اُن سے تعلق رکھتے ہیں انسان بھی ایک عجیب قسم کا مخلوق ہے۔ جس کا دل مختلف مضمون کے سوچنے اور جس کی زبان مختلف معاملات پر بحث کرنے سے نہیں گھبراتی۔ یہ کچھ اس کی فطرت میں داخل ہے اس کی طرف سے کبھی سیری نہیں ہوتی۔ وہ رات دن سوال جواب تحقیقات و تلاش تفتیش و تجسس وغیرہ میں پڑے رہتے ہیں۔ ساری زندگی اسی ادھیڑبن میں ختم ہو جاتی ہے اور اگر ہم آواگون کے مسئلہ پر یقین کریں تو باآسانی مطمئن ہو جائیں گے۔ کہ یہ حالت آئندہ زندگی تک بھی برابر جاری رہتی ہے۔ جہاں اس تکمیل و تحصیل کا تعلق ہے۔ عالم اور جاہل دونوں ہی کی حالت یکساں ہے۔ اور دونوں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ دونوں ہی کو اپنے دلی اور عقلی قویٰ کی نشو و نما کے موافق جاننے۔ باخبر

ہونے اور واقفیت پیدا کرنے کا خبط رہتا ہے۔ ممکن۔ اُنکے
سوال کرنے کے ڈھنگ مختلف ہوں۔ ممکن ہے کہ حاصل
کرنے کے طریقے جداگانہ ہوں مگر علم کی پیاس اور گیان
کی خواہش سب میں موجود ہے۔ اس سے کون انکار
کر سکتا ہے۔ یہ صریحی اور بدیہی واقعہ ہے۔ تمام علم و ہنر کی
شاخیں تمام فلسفے اور سائنس کے شعبے۔ تمام صنعت و حرفت
اس کے بدیہی ثبوت ہیں۔ اور وہ صرف انسان کے فطرتی
غور اور فکر کے نتائج ہیں۔ اہل حکمت اور سائنس دان طبقہ
علم کی متعدد شاخوں کی اصلیت کا پتہ لگاتے ہوئے قدرت
کے اُن قانون پر عبور پانے کا شائق ہے جو نظام کائنات
میں ترتیب خوبصورتی اور خوش اسلوبی کا تماشہ دکھا رہے
ہیں۔ اور وہ اپنے علم و عقل کے زور سے اُن پر غالب آکر
اُن سے دنیاوی مفاد کی صورتیں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یہ
نہیں کہا جاتا اور کوئی بھی اس وقت) نہیں کہہ سکتا کہ اس
گروہ کی تحقیقات کس حد تک پہنچ کر ختم ہو گی اور کس طرح
اور کس شکل میں اس کا خاتمہ ہو گا کھیت بوئے جا رہے
ہیں فصلیں کاٹی جا رہی ہیں یہ اس کی محنت کے انعام ہیں
وہ بنی نوع کے فائدہ کے لئے اپنے پیچھے خاص قسم کی
میراث چھوڑ جاتا ہے۔ اور تمام آدمیوں کے محسن کہلاتے

جاننے کا مستحق ہے یہی حال فلاسفروں اور دوسرے معلّموں کا بھی ہے۔ ایک خارجی دُنیا کے نئے اعجوبے پانا چاہے دوسرا اندرونی دنیا کا حال جاننا چاہتا ہے ۔

مگر سوال یہ ہے کہ کیا اُس کی یہ خواہش کبھی پوری بھی ہو گی؟ اِس کا جواب "نفی" ہے جتنا ہی انسان آگے کی طرف قدم بڑھاتا جاتا ہے۔ اتنا ہی وہ اپنے آپ کو نادان سمجھنے لگتا ہے۔ جتنا ہی وہ پڑھتا ہے اتنا ہی وہ ان پڑھ بنتا ہے۔ تشفی نہیں ہوتی۔ تسلی نہیں ہوتی نہ اطمینان اور یکسوئی کی حالت پیدا ہوتی ہے۔ ایک مسلسل اور پیچدار زنجیر ہے کہ جس کی کڑیاں قدم قدم پر بڑھتی جاتی ہیں۔ تیلی کے بیل کی طرح دن بھر چلا کئے۔ مگر جہاں تھے وہاں ہی رہے۔ ٹس سے مس نہیں ہوا۔ خارجی دنیا کی مساحت کرنا آسان کام نہیں ہے۔ بے شمار کرّے ہیں بیشمار علم و ہنر کے شعبے ہیں۔ ایک ایک محکمہ میں ہزاروں لاکھوں اور کروڑوں دفتر ہیں۔ کوئی کس کس کو دیکھے کس کو نہ دیکھے ابھی تو یہ محض استھول اور کثیف دنیا کا حال ہے آگے سوکشم اور لطیف دنیا پڑی ہوئی ہے اس سے آگے کارن (علت) جگت آئے گا۔ اور ہستی کی آخری منزل وہ ہے۔ جس کا پتہ پانا جسمانی دل و دماغ کے خیال امکان سے بہت باہر ہے جتنا اوپر چڑھتے

جاتے ہیں اتنا ہی زینوں اور سیڑھیوں کا سلسلہ بڑھتا ہوا نظر آتا ہے اور آخر اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس مقام پر عقل کے پر و بال جل جاتے ہیں۔ اور پتہ نہیں لگتا کہ کیا معاملہ ہے دماغ چکراتا ہے۔ سر گھومتا ہے عقل کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں :

جو علم ہم یہاں حاصل کرتے ہیں وہ تین قسم کا ہے۔ اوّل پرمان۔ جو گیان اندریوں کا علم ہے۔ اور شبد۔ سپرش۔ رُوپ۔ رس۔ گندھ کی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے انومان جو واقعات کے مشاہدہ اور معائنہ کرنے سے ایک خاص نتیجہ پر پہنچ کر قیاس کی صورت میں قایم ہوتا ہے۔ تیسرے شبد جو کامل آدمیوں اور بے غرض شخصوں کی گواہی یا شہادت اور گورمکھوں کا بچن ہے ساری معلومات کی ہستی کا دارومدار انہیں تین قسم کے علموں پر ہوتا ہے اور جتنے مشاہدات کہ ہماری معلومات کے وسیع کرنے میں مددگار ہوتے ہیں سب کا انحصار ان ہی پر ہے۔ پرمان اور انومان کے متعلق تو شاید مشکل سے کسی کو اعتراض ہوگا۔ اُن کی نسبت غالباً ہر شخص کو اتفاق ہوگا۔ ہاں دنیا میں ایسے آدمی بیشک ہیں جو گورمکھوں کی شہادت کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اور اس کو فضول سمجھتے ہیں

حالانکہ قدیم زمانہ سے لوگ کہتے آرہے ہے کہ یہ بھی علم حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور بعض معاملات ایسے ہیں جن کی سمجھ بغیر اوروں کی شہادت کے نہیں ہوتی۔ مثلاً ہماری اپنی پیدائش کی تاریخ۔ لڑکپن کے واقعات وغیرہ ان کیلئے تاوقتیکہ ہم اوروں کی شہادت اور گواہی پر اعتبار نہ کریں۔ ہمارے سوچنے وچارنے کا کوئی نتیجہ نہیں ہوتا پرمان اور الومان تو ہم خود کرتے ہیں۔ شبد اُس کمی کو پورا کرتا ہے جو اوروں کی مدد کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی ہزاروں برس کی لکھی ہوئی تاریخ انسان کے تجربات کے نتیجے۔ صدیوں کے قلمبند شدہ حالات ان سب کو ہم شبد کی فہرست میں داخل کرسکتے ہیں۔ ان سب پر زیادہ فوقیت رکھنے والا آپت یعنی بے غرض معلم کا کلام ہے۔ الغرض علم حاصل کرنے کے یہ تین ذریعے ہیں۔ اور ان سے مدد لئے ہوئے بغیر علم حاصل نہیں ہوتا ؛

تمام انسان ان ہی سے علم حاصل کرتے ہیں۔ اور علم کا شوق کچھ اس طرح ان کے دلوں پر حاوی ہوتا ہے کہ علم کو سب پر فوقیت کا رتبہ بخشتے ہیں اور جہالت یا نادانی کو شرم اور عار و ننگ کی بات جانتے ہیں۔ ہم نے ایسے آدمی بہت کم دیکھے ہیں جو حقیقت میں باتوں کو سمجھنے نہیں

لیکن اگر اُن سے سوال کرو۔ کہ کیا تم نے اس کو سمجھ لیا۔ تو وہ جواب دیں گے کہ "ہاں" وہ ایسے موقعوں پر جھوٹ بولتے ہیں یا سچ اس سے ہم کو بحث نہیں ہے جس بات کی طرف ہم توجہ دلانا چاہتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ وہ جاہل نہیں کہلانا چاہتے یہ بات گوارا نہیں ہے کہ اور لوگ اُن کو نادان اور جاہل سمجھیں۔ اُن کے اس جھوٹ میں بھی علم و دانائی کی فضیلت کا خیال چھپا ہوا ہے اور جاننے والے بآسانی ان کے دل میں گھس کر اس کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ سب کو دانا اور گیانی بننے کا خیال ہے۔ اور اُن تین کی مدد سے علم حاصل کرتے رہتے ہیں ؛

مگر کیا ان ظاہری تدبیروں سے تمام قدرت کے تمام طبقات کا علم حاصل ہو سکتا ہے؟ نہیں۔ اس کا امکان محال ہے۔ معمہ جیسا اب تک ہے آگے بھی بغیر حل شدہ رہے گا انسان ہزار کوشش کرے مگر یہ عقدہ نہ اب تک کھلا۔ اور نہ آئندہ کو کھلے گا۔ تمام اندریاں اور ان کی طاقت اس معاملہ میں ویسے ہی بے صرف ثابت ہوں گی۔ جیسا کہ سکھ کے ضمن میں ان کی حالت کا بیان کیا گیا ہے دُنیا کیسے پیدا ہوئی۔ ہم کیسے اور کیوں یہاں آئے ہمارے آنے کی غرض کیا ہے یہ سوال برابر زبان پر آتے رہیں گے

اور ان کا جواب ملنا مشکل ہوگا۔ جتنا علم حکمت (سائنیس) اور فلسفہ سے اس گتھی کے سلجھانے میں ناکامیاب رہے گا اور گمان غالب ہے کہ جیسے اندریوں کے سکھ کا خیال پریشانی اور مصیبت کا باعث ہو ویسے ہی یہ خطرات اور غدغات کے باعث ہوں۔ جیسا کہ ان کے بیوہار سے ہوتا ہے اور ہم کو راہ سے گمراہ کردیں ❊ ۔

حدیث از مطرب و مے گو و راز ایں دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بہ حکمت ایں معمارا

سنت فرماتے ہیں کہ جس طرح سچے سکھ کے حاصل کرنے میں مذہب سچا مددگار ثابت ہوتا ہے ویسے ہی سچے گیان اور سچے علم کی پراپتی میں بھی وہ معاون ہو سکتا ہے جیسے سکھ اپنے اندر ہے ویسے ہی گیان بھی اپنے اندر ہے باہر کا گیان بھی ہمارے اندر ہی کا گیان ہے کوئی نہ تو ہم کو سکھا پڑھا سکتا ہے نہ گیانی بنا سکتا ہے اپنے اندر بیٹھنے اور اپنا علم حاصل کرنے سے ہم گیانی ہو سکتے ہیں۔ انکھیں اندریوں کو اندر کی طرف خاص روحانی طریقے کے موافق الٹو۔ اور اپنی ذات کے علم کے حاصل ہوتے ہی سچا علم حاصل ہو جائے گا ❊

جز اور لہ یہ سی گن دست، رہیں باگیو دلکیٹے اپنی

جن عالی الی تک

بیوی میتری سے ہمکلام ہو کر جو کلام کہے تھے وہ حقیقت کے جتلانے میں بے مثال ہیں اور ہم انہیں کا اعادہ یہاں کرتے ہیں۔ ※

(۷) جیسا کہ نقارہ پر ضرب لگائی جاتی ہے۔ تو اس کے باہر کی آواز کو الگ الگ پکڑ نہیں سکتے۔ مگر نقارہ کے پکڑنے سے آواز پکڑی جاتی ہے؛

(۸) جیسا کہ شنکھ جب پورا بجایا جاتا ہے۔ تب اس کے باہر کی آواز کو نہیں پکڑ سکتے۔ مگر شنکھ کے پکڑنے یا شنکھ بجانے والے کے پکڑنے سے آواز پکڑی جاتی ہے؛

(۹) جیسے جب باجہ (بین) بجایا جاتا ہے تب اُس کی آواز کو الگ الگ کوئی نہیں پکڑ سکتا۔ مگر بین کے پکڑنے سے آواز پکڑی جا سکتی ہے؛

(۱۰) جو آگ گیلی لکڑیوں سے جلائی گئی ہے اور جس طرح اس میں سے باہر کی طرف دھواں و چنگاریاں وغیرہ الگ ہو کر نکلتی ہیں۔ اے میتری بالکل اسی طرح باہر کی طرف سانس لیا گیا۔ رگ۔ یجر۔ سام۔ اتھروانگرس اتہاس۔ پوران ودیائیں۔ اُپنشد۔ شلوک۔ سوتر۔

※ برہد آرنیک۔ باب دوم۔ چوتھا برہمن۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱

جون جولائی اگست ۱۹۵۲ء

الوویا کھیان - اور ویا کھیان سب اسی کے سانس ہیں ؛
(۱۱) جیسے سمندر پانیوں کا مرکز ہے اسی طرح تمام سپرشوں (چھوتے) کا ایک مرکز چرم ہی ہے - اسی طرح سونگھنے کا مرکز ناک ہے - اسی طرح تمام لذتوں کا مرکز زبان ہے اسی طرح تمام شکلوں کا مرکز آنکھ ہے - اسی طرح آوازوں کے مرکز کان ہیں اسی طرح تمام خیالوں کا مرکز من ہے - اسی طرح تمام گیانوں کا مرکز ہردے ہے اسی طرح تمام کرموں کا مرکز ہاتھ ہے - اسی طرح تمام آنندوں کا مرکز آلہ تناسل ہے - تمام تیاگوں کا مرکز مقعد ہے اسی طرح تمام ویدوں کا مرکز بانی ہے ؛
ہر چیز کی ابتدا آتما سے ہے - آتما کو جان لو سب کچھ جانا جا سکے گا - اور کوئی راز سربستہ حل ہوئے بغیر نہ رہ سکے گا اور جن گیان کی پیاس سے سب بے قرار ہیں وہ پیاس بجھ جائیگی - یہ دوسری بات ہے جو مذہب سکھلاتا ہے اور جس کی تحصیل کی سب کی طرف اس کے اشارہ کی انگلی اٹھتی ہے ؛

پانچواں پیغام

زندگی

ہونا - جینا زندگی ہے - جہاں تک احساس کی طاقت ہوگی

وہاں اس کا اثر بھی اپنا کام کئے بغیر نہیں رہے گا۔ زندگی اپنے ارد گرد کے سامان سے ہر طرح کی غذا خواہ وہ جسمانی ہو یا دماغی حاصل کرتی ہے۔ ممکن ہے کسی حد تک وہ ارد گرد کے حالات و واقعات کے اثر میں آ جائے مگر سچی زندگی کی پہچان یہ ہے کہ وہ اوروں پر اپنا اثر ڈالتی رہتی ہے انسان کے دل میں جو لوگ اس طرح کا خیال ڈالتے رہتے ہیں کہ "انسان صرف حالات و واقعات کا غلام ہے" وہ اس سے اس کی انسانیت چھینتے ہیں اور اس کے حیوان بنانے کا جتن کرتے ہیں۔ انسان حالات و واقعات کا غلام نہیں ہے۔ بلکہ حالات و واقعات انسان کے غلام ہیں حالات و واقعات اس کو پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ حالات و واقعات کو پیدا کرتا رہتا ہے۔ اور ان کی دم کی ناک مروڑ کر اپنے مزاج کے موافق بنا لیتا ہے انسان کو ہمیشہ یاد دہانی کرنا چاہئے کہ وہ فعل مختار ہے وہ دنیا میں قدرت کے طبقات کے فتح کرنے کے لئے آیا ہے۔ جب تک اس میں ان کے فتح کرنے کی طاقت ہے تب ہی تک وہ انسان ہے جب یہ طاقت اس میں نہیں رہتی تب اس کو انسان نہیں کہنا چاہئے۔ بلکہ اس کے لئے دوسرا نام مقرر کرنا چاہئے انسان دنیا میں بہت زبردست طاقت ہے۔ سب اس کی قوت ارادی کے ماتحت ہیں اور اگر وہ سچا انسان ہے اور اس میں انسانیت کی بو باس اور

انسانیت کے اوصاف ہیں تو قدرت میں کسی کو نہ اس کے مقابلہ کی طاقت ہے نہ کوئی اُس کی مخالفت اور مزاحمت کے لئے سر اُٹھانے ہی کی جرائت کرتا ہے ؛

ہم میں زندگی ہے زندگی ضرور ہے مگر یہ زندگی مادہ کے غلاف کے اندر پوشیدہ ہے - اور مادہ سے دبنے کی وجہ سے وہ اپنی طاقت کا اچھی طرح اظہار نہیں کر سکتی جیسے آگ کی چنگاری کے اوپر راکھ کا ڈھیر ہو اور اس کی حرارت کا پتہ نہ لگے - اسی طرح ہماری زندگی کا حال ہے - مگر بڑھنا - اُبھرنا - غالب آنا یہ زندگی کا خاصہ ہے وہ ہمیشہ مادی خولوں کے اوپر آنے کی خواہشمند رہتی ہے - اور اُن کو مغلوب کرنا چاہتی ہے اور اسی وجہ سے وہ لگاتار کشمکش کی حالت میں رہتی ہے کیونکہ جہاں زندگی ہوگی وہاں زندگی کے اظہار میں کشمکش ضرور ہوگی ایک رینگتا ہوا کیڑا کبھی بائیں طرف جاتا ہے کبھی دائیں طرف جاتا ہے اور ایسی اشیا کو اپنے ساتھ ملاتا اور ملحق کرتا ہے جو اس کی ترقی کے مددگار اور موافق ہیں اور جن کو وہ جذب نہیں کر سکتا خواہ جن کو اپنے موافق نہیں پاتا - اُن سے مُنہ پھیر لیتا ہے غذا - صحبت - سامان سب کا تعلق اسی نظریہ سے کیا جاتا ہے - ایک کیڑے کو چھیڑ دو اور اس کی حرکات و سکنات سے تم کو یقین ہو جائے گا - کہ انسان کی طرح اس میں بھی یہی خاصہ

ہے جو انسانی الست

موجود ہے۔ اس کی زندگی بھی گو تم کو حقیر و ذلیل نظر آئے مگر اس کا بھی رخ اظہار کی طرف ہے اور اپنی قابلیت کے موافق وہ بھی اسی اصول کے زیر عمل اپنا کام کر رہا ہے وہ بھی بڑھنا چاہتا ہے ترقی کا جوہر چاہے ابھی مجہولیت کی حالت میں ہو مگر اس کو بھی اوپر آنے بڑھنے اور ترقی کرنے کے موقعوں کی تلاش ہے۔ اور وہ بھی کسی نہ کسی پیرایہ میں دلوں دن بڑھ رہا ہے۔ ہم چاہے اس کو مانیں خواہ نہ مانیں۔ مگر اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ نظام کائنات میں ہر شے میں بڑھنے کا مادہ نظر آتا ہے۔ بیج انکھوے کی صورت میں آنیکا خواستگار ہے۔ درخت کا انکھوا ابھرنے کا خواہشمند ہے کیڑا بھی ترقی کی صورت کا شیدائی ہے تمام جانداروں کو اسی کا سودا ہے انسان کا بچہ بھی دانستہ یا نادانستہ اسی حالت کا شائق ہے شروع سے آخر تک اس سرے سے لیکر اس سرے تک جدھر نگاہ کرو گے۔ یہی نظارہ ہر چہار طرف دیکھنے میں آئے گا۔ قدرت میں ہر جگہ یہی کیفیت ہے۔ سب بڑھ رہے ہیں۔ سب ترقی کے خواہاں ہیں۔ سب میں اسی کا میلان ہے سب نقص و محدودیت سے بچنا اور ترقی و وسعت سے ملنا چاہتے ہیں تنزلی سے ہر ایک کو نفرت اور ترقی سے ہر ایک کو رغبت ہے معمولی ذہانت کا آدمی اس کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ جب ہر ذی حس ہر ذی روح اور جاندار

کی یہ حالت ہے۔ تو کیسے مان لیا جائے۔ کہ یہ خاصہ انسان میں نہ ہوگا۔

شادی۔ بواہ و دوسرے سنکاروں کے اصول کے پردہ میں ترقی کا خیال پوشیدہ و ظاہر ہے جو لوگ سنسکاروں کی ماہیت و فلسفہ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان کے سلسلہ میں اوروں کی ہمدردی اور اُن کے خیالات اس شخص کے حصہ میں آتے ہیں جس کا سنسکار کیا جاتا ہے۔ ان کارروائیوں میں بھی جذب اور اخراج کا قانون مد نظر رکھا گیا ہے۔ سب کسی نہ کسی طرح بڑھ رہے ہیں۔ قدم قدم پر ترقی ہے۔ بھگت اور پاپی دونوں اسی قانون کے زیر اثر ہیں۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ ان کے کام کرنے کے طریقے مختلف اور جداگانہ ہیں۔ مذہب کے پیروکار نے اپنے لئے بہتر و خوشتر طریق پسند کر لیا ہے نادان اور غلط کار نے بدی کی راہ اختیار کی ہے چور چوری کرتا ہے سزا پاتا ہے۔ وقت پر اس کی اصلاح ہوتی ہے تب سیدھے راستہ پر آتا ہے۔ اور کچھ عرصہ تک بھٹکنے کے بعد جب کسی سنت یا مہاتما کی صحبت نصیب ہوتی ہے تب اپنے تجربات و نیز پاک صحبت کے اثر سے وہ بھی اسی راہ پر آتا ہے۔ جس پر بھگت جا رہا ہے۔

خدا کی پرستش۔ مذہبی ارکان کی پابندی۔ یوگ کا

عمل شغل سب مکمل زندگی کے حاصل کرنے کے ذریعے ہیں۔ موت حقیقت
میں ڈرانے والی ہوا نہیں ہے۔ وہ ایک تبدیلی کی حالت ہے
جس میں انتا دکھ نہیں ہوتا۔ ہاتھ پاؤں کے ٹوٹنے پر یا
جسمانی اعضا کے تشنج پر نہ جاؤ۔ ظاہر بیں اس کو جو چاہیں وہ
سمجھیں مگر سچائی یہ ہے جو ہم تم کو سُناتے ہیں۔ مذہب والوں
نے ضرور جنم مرن کے دکھ کو خوفناک طریقہ پر بیان کیا ہے۔
اس کا مطلب صرف ڈرانے کا ہے۔ اور ویراگ پیدا کرنے کا
ہے۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ ہم نے تو اسی زندگی میں
مر کر اس حالت کا انبھو کر لیا ہے۔ اس وجہ سے وہی بات
کہتے ہیں جس کو سچی سمجھتے ہیں۔ دکھ نہ ابتدا میں ہے نہ
انتہا میں ہے۔ وہ زندگی کے صرف درمیانی منزل میں
ہے کیونکہ اس میں خیالات کا بڑا الجھن رہتا ہے۔ جان
نکلنے سے پہلے اگر خیالات اچھے ہیں تو سکھ ہوتا ہے۔ اگر
بُرے ہیں تو آنکھوں کے مقام تک پہنچنے کے پہلے وہ
ضرور ستاتے ہیں جب پتلیاں کھنچ گئیں۔ پھر کچھ نہیں۔
ہاں جب پھر دوسرے جنم کی ابتدا ہوتی ہے۔ اگلے سنسکار
ابھر کر اپنا اثر پیدا کرنے لگتے ہیں۔ اور پھر ضرور دکھ ہوتا
ہے۔ سنتوں کے ہاں جو سُرت شبد یوگ کی تعلیم دیجاتی
ہے اس کی پیروی میں روح کے کھچاؤ کے وقت موت کی

حالت کا سامان پیدا ہوجاتا ہے۔ جس نے عمل کرکے اس کو دیکھ لیا ہے وہ تو اس بات کو مانے گا۔ باقی جنھوں نے صرف اوروں کی جان کنندنی دیکھی ہے وہ سچا اور صحیح اندازہ نہیں کرسکتے۔ مگر یہ ایک ایسی بات ہے جو خاص خاص آدمیوں کے انبھو سے متعلق ہے اور اس لئے ہم اس بات پر بہت زور نہیں دینا چاہتے جو جیسا بہتر جانیں وہ ویسا سمجھیں اس سے زیادہ اور کیا کہیں ؎

ترقی زندگی کی علامت ہے۔ اور ہم خود ہی ترقی کرتے ہیں۔ مانا ویدانتی اور گیانی اس کو خیال بتائیں۔ مگر سکڑنا اور کاٹ چھانٹ کرنا بھی تو خیالی ہے وہ کہاں خیال کے پنجے سے ابھی تک آزاد ہوئے ہیں۔ جب وہ خود آزاد ہو لیں گے تب ہم اُن کی سُنیں گے۔ واچک گیان کی طرف توجہ نہیں دیجاتی۔ کیوں نہ ہم آسانی کے ساتھ دنیا کو دنیا کی نظر سے دیکھتے ہوئے ترقی کرتے چلیں اور پھر جب دُھر پد تک پہنچ جائیں گے تب دیکھا جائے گا ؎

مذہبی تعلیم میں بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں۔ جو خاص خاص وقت کے لئے موزوں و مفید ہوتی ہیں ہر وقت اگر ان سب کو ملا کر دیکھا جائے گا۔ تو پریشانی ہوگی عقل کو جو ہر پسند ہونا چاہئے۔ جس وقت جو خیال مدّنظر ہو اسی کے ساتھ تعلق رکھنے میں بھلا ہوتا ہے۔ گیان کی بھومیکا اور ہے۔ کرم اور اُپاسنا

کی بھومیکا اور ہے سب کو کبھی نہ ملاؤ۔ جس وقت جس کا تعلق ہے اس کو اُس وقت اسی نظر سے دیکھو تاکہ بلند نظری اور وسیع خیالی آئے اور یہ بہت مفید ثابت ہو گا۔ اس وقت ہم زندگی کی بابت گفتگو کر رہے ہیں۔ اس لئے نگاہ کو صرف اسی حد لیست کے اندر محدود کر کے اس کے جوہر یا سار کو گرہن کرنا چاہئے:۔

زندگی ترقی پسند ہے۔ ہم کیوں خدا کی بندگی کرتے ہیں۔ اپنے لئے کرتے ہیں یا خدا کے لئے؟ خدا کے لئے نہ تو کچھ کرنا ہے نہ دھرنا ہے موجودہ حالت میں جو کچھ کیا جاتا ہے یا ہو رہا ہے وہ اپنے لئے ہے ہر بات اور ہر کام کے پردہ میں کوئی نہ کوئی مقصد چھپا رہتا ہے۔ بغیر مقصد کے خیال کے کوئی کام نہیں ہوتا۔ یہ بنی بنائی بات ہے۔ جو ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے۔ اگر مقصد کرم کا محرک ہے تو ہر بات میں مقصد رہتا ہے اور یہ مقصد اصل میں اپنے آتما یا اپنی زندگی کے اُدّھار اور پسارے کے لئے ہے اس وقت اس کو اسی نظر سے دیکھو کیونکہ ہم کو اس وقت تمھیں اسی نظر سے دکھلانا مقصود ہے آورش اور معراج کو تھوڑی دیر کے لئے دور کر کے ہم اسی طرف تمہاری توجہ کو منعطف کرانا چاہتے ہیں۔ آخری پیغام میں یا گیہ ولکیہ رشی کے کلام کا حوالہ آیا ہے جو کچھ اس ضمن

ہیں رشی نے اپنی جگیاسنی عقلیہ میتری کو سُنایا ہے وہ ہم تم کو بھی سناتے ہیں۔ غور سے سُنو۔ اس پر وشیان دوده آتا ہے۔ کہ*

(۵) اے میتری! بلا شک شوہر شوہر کے خیال سے پیارا نہیں ہے بلکہ آتما کے خیال سے شوہر پیارا ہے۔ بلا شک عورت عورت کے خیال سے پیاری نہیں ہے بلکہ آتما کے خیال سے عورت پیاری ہے بلاشک بیٹے بیٹے کے خیال سے پیارے نہیں ہیں بلکہ آتما کے خیال سے بیٹے پیارے ہیں۔ بلا شک دولت دولت کے خیال سے پیاری نہیں ہے بلکہ آتما کے خیال سے دولت پیاری ہے۔ بلا شک برہم برہم کے خیال سے پیارا نہیں ہے بلکہ آتما کے خیال سے برہم پیارا ہے بلا شک کشتری کشتری کے خیال سے پیارا نہیں ہے بلکہ آتما کے خیال سے کشتر پیارا ہے۔ بلاشک لوک لوک کے خیال سے پیارے نہیں ہیں بلکہ آتما کے خیال سے لوک پیارے ہیں بلاشک دیوتا دیوتا پنے کے خیال سے پیارے نہیں ہیں بلکہ آتما کے خیال سے دیوتا پیارے ہیں۔ بلاشک جاندار جاندار

* ورہد آرنیک - باب دوم - چوتھا برہمن - ۵ - ۶ *

کے خیال سے پیارے نہیں ہیں بلکہ آتما کے خیال سے جاندار پیارے ہیں۔ بلاشک وید ویدوں کے خیال سے پیارے نہیں ہیں۔ بلکہ آتما کے خیال سے وید پیارے ہیں۔ بلاشک عناصر (بھوت) عناصر کے خیال سے نہیں بلکہ آتما کے خیال سے پیارے ہیں۔ بلاشک کائنات کائنات کے خیال سے پیارا نہیں ہے بلکہ آتما کے خیال سے کائنات پیارا ہے بلاشک کوئی چیز چیز کے خیال سے پیاری نہیں ہے بلکہ آتما کے خیال سے چیز پیاری ہے۔ اے میتری! بلاشک یہ آتما ساکشات (عین الیقین) کرنے کے قابل ہے (شرون) سننے کے قابل ہے۔ منن کرنیکے قابل ہے۔ اور ندھیاسن کرنے کے قابل ہے آتما کے درشن سے شرون سے منن سے جاننے سے یہ سب کچھ مانا جاتا ہے۔

(۶) برہم (براہمن) اس کو دور پھینک دیتا ہے۔ جو آتما سے پرے دوسری جگہ برہم کو جانتا ہے کھتر (کشتری) اس کو دور پھینک دیتا ہے۔ جو آتما سے دور لوگوں کو جانتا ہے۔ دیوتا اس کو دور پھینک دیتے ہیں جو آتما سے دور دیوتاؤں کو جانتا ہے

عناصر اس کو دور پھینک دیتے ہیں۔ جو آتما سے دور
عناصر کو جانتا ہے۔ سب چیزیں اس کو دور پھینک دیتی
ہیں۔ جو آتما سے دور سب چیزوں کو سمجھتا ہے یہ
برہم ہے۔ یہ کشتر ہے۔ یہ لوک ہیں۔ یہ دیوتا ہیں۔
یہ بھوت ہیں یہ سب کچھ ہے جو آتما ہے؎

آتما ہی زندگی ہے آتما ہی زندگی کا آدرش۔ منزل مقصود معراج حقیقت اور مکمل حالت ہے۔ اس کی پیروی اور اُسی کی تکمیل کے لئے سب کچھ کہا، سنا اور کیا جاتا ہے یہ وصل ہے یہی وصال ہے۔ اسی میں ترقی عروج اور انتہا ہے۔ اس میں دھیان گیان کرم اُپاسنا یوگ بھوگ سب ہے۔ یہ سب سے پیاری چیز ہے۔ مگر یہ زندگی کیسے ملے۔ لاکھوں تدبیریں سوچی جاتی ہیں۔ زندگی ناقص کی ناقص اور محدود کی محدود رہ جاتی ہے۔ عالم اسباب کے سامان اس کی تسلی و سیری کے لئے غیر کافی ہوتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ آدمی میں سنتوش نہیں ہوتا۔ یہاں بھی مذہب ہی انسان کے آڑے آتا ہے اور وہ سننے والوں کو باواز بلند سناتا رہتا ہے۔ کہ زندگی تم ہیں اور تمھارے اندر ہے تم خود زندگی ہو۔ اپنے آپ کو سمجھو۔ تاکہ تفرقات و اختلافات دور ہوں جب تک تفرقہ ہے تب تک زندگی ناقص ہے اور ناقص و محدود زندگی دکھ کا

باعث ہوتی ہے۔ علیحدگی دکھ ہے۔ وصال ملاپ اور اتحاد سکھ ہے اپنے سے اپنے اندر ملو۔ اپنے کو اپنے اندر دیکھو۔ اپنے کو اپنے اندر تلاش کرو۔ اصلی زندگی اپنے اندر پاؤ گے۔

پس ثابت ہوا کہ مذہب کے تین زبردست مقصد ہیں۔ سکھ گیان اور زندگی۔ اور وہ انہیں کے حاصل کرنے کا ذریعہ بتاتا ہے اب تم کو اختیار ہے۔ مذہب کی اہمیت کو سمجھ کر اس سے دل لگاؤ۔ یا نہ لگاؤ۔ اس کو ضروری سمجھو یا نہ سمجھو۔ ہم کو جو کچھ آتا تھا سنا دیا منوانے کا ہم نے ٹھیکہ نہیں لیا ہے۔

چھٹا پیغام

اندرونی نظارہ

ہر مخلوق راحت، زندگی اور علم کا شیدائی ہے۔ اس خواہش سے کسی ایک منفرد شخصیت کو مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تین اصطلاحات گو بادی النظر میں مختلف خیالات کی محرک ہوتی ہیں۔ مگر اصل اور جوہر کے لحاظ سے وہ ایک ہی مقصد کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ ہمارا وجود خود سکھ۔ گیان اور زندگی ہے روح کو سچدانند یعنی ست، چت، آنند کہتے ہیں

ست ہستی ہے۔ چت۔ تمیز اوراک اور عقل و فہم ہے۔ آنند سکھ خوشی اور راحت ہے کہنے کے لئے یہ تین باتیں ہیں۔ لیکن اگر تم ان میں سے صرف کسی ایک کو اپنے دل میں جگہ دوگے تو باقی دو خود بخود اس کے ساتھ شریک نظر آئیں گے۔ کیونکہ وہ پہلو بہ پہلو ساتھ رہتے ہیں۔ اور حقیقت میں وہ صرف ایک ہیں۔ ہستی محسوسیت اور اوراک ہے۔ محسوسیت اور ادراک ہی ہستی ہے۔ اور ہستی ہستی کا حس آنند ہے۔ سمجھانے بوجھانے کی نظر سے اگر یہ کہا جائے۔ کہ ہمارے وجود کی ترکیبی خلط ان ہی سے ہوئی ہے۔ اور ہم ان ہی تین چیزوں سے مرکب ہیں تو شاید غلط نہ ہوگا۔ اور یہی سبب ہے کہ ہماری ساری زندگی ان ہی کی تلاش اور جستجو میں بسر ہوتی ہے۔ اور ہم ان ہی کی پیروی اور تحصیل میں لگے رہتے ہیں۔ مچھلی کبھی پانی سے باہر نہیں رہ سکتی۔ اس کو پانی سے جدا کردو۔ ایک لمحہ میں تڑپ کر مر جائیگی کیونکہ پانی ہی مچھلی کا اصل اور جوہر ہے۔ مچھلی پانی کی متحرک صورت ہے۔ یہی ہماری بھی حالت ہے۔ ہم بھی سچدانند سمندر کی مچھلیاں ہیں اور چاہے ہم زندگی کے جس حالت میں رہیں۔ پائے جائیں۔ راحت۔ علم۔ اور ہستی کے بغیر ایک دم نہیں رہ سکتے ہستی یا زندگی ہی خود گیان اور علم ہے۔ اگر علم نہ ہو تو پھر ہستی کا احساس کیسے ہوگا۔ اور ہم ہستی کو ہستی کیسے کر سکیں گے۔

اسی احساس میں آنند اور سکھ ہے۔ ہم یہاں اس موقعہ پر ان لفظوں کو نہایت وسیع معنی میں استعمال کر رہے ہیں۔ جس میں زندگی کی مراد اور تمام اس کا مدو جزر شامل ہے۔ اور چاہے وہ کسی طبقہ کی کیوں نہ ہو چونکہ ہماری سمجھ میں ہستی۔ علم اور راحت تینوں ایک اور وہی چیز ہیں آئندہ اس پیغام کے ضمن میں ہم ہر جگہ اپنے نفس مراد کو صرف ایک لفظ تک محدود رکھیں گے۔ اور دوسروں کو عمداً نظرانداز کرتے رہیں گے۔ اور صرف لفظ سکھ کو ہی مذہب کی عین مراد اور اصلی مقصد سمجھانے کی کوشش کریں گے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ علم اور زندگی مذہب کے مقصد نہیں ہیں۔ وہ بھی ہیں۔ اور سب کا سلسلہ ساتھ ساتھ چلتا ہے مگر چونکہ تینوں ایک ہیں۔ اس لئے ہم ایک ہی کو نظر کے سامنے رکھ کر گفتگو کریں گے باقی دو کو نظرانداز کرتے جائیں گے۔ کیونکہ جو کام ایک سے نکلتا ہے وہی باقی دو سے بھی ممکن ہے۔ پڑھنے والے یا تو خود ان کے متعلق سوچتے رہیں یا اُن کو بھی اسی ایک لفظ سکھ میں شامل سمجھیں ؛

ذی حس مخلوق کو ظاہری سکھ دُکھ کا علم صرف اسوقت تک ہوتا ہے جب تک وہ حالت بیداری میں رہتا ہے۔ اگر وہ حالت بیداری سے گذر کر نیند کی حالت میں چلا جائے۔ تو وہ دُکھ کو بالکل بھول جائے گا۔ یہاں تک کہ جو حالات اور واقعات

دکھ کے باعث ہو رہے تھے یک دم نظر سے غائب ہو جاتے ہیں اور وہ اُن کے متعلق سب کچھ بھول جاتا ہے اس نیند کی حالت میں بھی خاص قسم کے دُکھ سُکھ کا شمول ہے گو وہ بیداری کے دُکھ سُکھ سے مختلف ضرور ہیں ؂

نیند کے دُکھ سُکھ لطیف (سوکشم) ہیں اور حالت بیداری کے کثیف (ستھول) ہیں۔ یہ اُن کے درمیان فرق ہے ورنہ وہ ایک دوسرے کے مشابہ کہے جا سکتے تیسری حالت جو سب سے زیادہ دل پسند ہے وہ سوشپتی یعنی گہری نیند کی اوستھا ہے جس میں دنیا کے دُکھ سُکھ دونوں بھول جاتے ہیں۔ جس طرح دھوپ کا ستایا ہؤا آدمی کسی ٹھنڈے پانی کی جھیل میں غوطہ لگائے اور دھوپ کی سختی اور گرمی کی بیقراری کا خیال تک اس کے ذہن سے جاتا رہے اسی طرح سوشپتی کی گہری نیند کی اوستھا میں جاگرت اور سوپن دونوں کی حالتیں فراموش ہو جاتی ہیں سوشپتی کا مقام بیداری اور خواب دونوں کے پرے ہے جہاں خواب کے ملک کی سرحد کا خاتمہ ہوتا ہے۔ وہاں ہی سے اُس کا سرحد شروع ہوتا ہے وہاں پہنچے نہیں کہ دنیاوی سُکھ دُکھ کا نام ونشان مٹ جاتا ہے۔ اُس میں نہ دُکھ ہے نہ سُکھ ہے ایک ایسی آنند کی کیفیت ہے۔ جس کو زبان بیان نہیں کر سکتی۔ اس کا شرور خاص

طرح کا ہے۔ اور دن کے چوبیس گھنٹوں کے اندر ہم کو مجبوراً اُس کی تلاش اور اُس سے ہمکنار ہونے کی فکر رہتی ہے۔ ہم میں سے کوئی ایسا فرد و بشر نہیں ہے۔ جو اس کا خواہشمند نہ ہو۔ یہ تینوں حالتیں جاگرت۔ سوپن اور سوشپتی مطالعہ کئے جانے کے قابل ہیں۔ کیونکہ اس مطالعہ سے ایک طرح پر سچائی کے جاننے کا موقعہ ہاتھ آتا ہے۔ اور حقیقت تک کچھ کچھ رسائی ہوتی ہے ؂

روح حالت بیداری میں دونوں ابروؤں (بھوں) کے درمیان اپنی نشست رکھتی ہے اور وہاں بیٹھ کر بیرونی حواس (اندریوں) کی مدد سے خارجی دنیا کا علم حاصل کرتی ہے اور حواس عشرہ یعنی کرم اور گیان اندریوں کی مدد سے اس باہری جگت کے شکوہ کے سامان کو اپنی طرف کھینچتی رہتی ہے۔ یہ دسوں اندریاں اُسی طرح روح کی خدمت کا فرض انجام دیتی ہیں۔ جس طرح کاریگر اپنے اوزاروں سے کام لیتا ہے۔ اور زندگی کے روزانہ فرائض اُن کی استعانت سے انجام دیتا ہے۔ کون اس طبقہ میں بیٹھ کر اُن کی اہمیت پر اعتراض کرسکتا ہے۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوگا۔ کہ یہ اندریاں جسم سے بالکل مختلف ہیں۔ تاہم دنیا میں ایسے آدمی بکثرت ملیں گے۔ جو یا تو جسم ہی کو اپنی ذات اپنی اصلیت اور اپنا

روپ سمجھتے ہیں یا دل کو اصلی شے اور اصل جوہر قرار دیتے ہیں ان دونوں میں سے کوئی بھی اپنے خیال میں صحیح نہیں ہے دونوں ہی غلطی پہ ہیں۔ جسم دل اور روح ہستی کے اس طرح میں ایک شے کیسے ہو سکتے ہیں۔ ان کے کام مختلف نظر آتے ہیں۔ محنت کے کام کے بعد جسم اور دل دونوں تھک جاتے ہیں۔ بسا اوقات یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے کام کو انجام نہیں دے سکتے۔ مرجھا جاتے ہیں مگر روح برابر قائم رہتی ہے۔ اس لئے جسم اور دل کو کبھی بھول کر بھی روح یا آتما نہ سمجھنا چاہئے۔ اگر ہم غور کے ساتھ اپنے اندر نظر کریں تو ہم کو آسانی معلوم ہو سکے گا۔ کہ انتظام قدرت یعنی مادہ کی سلطنت میں اظہار کے تین مختلف طبقے ہیں سب سے پہلے اصلیت یعنی اصلی وجود کا طبقہ رہتا ہے۔ دوسرے وہ طبقہ ہے جو روحانی ہے اور جس سے ہمارے کام ہوتا ہے۔ اور تیسرا وہ ہے۔ جہاں جسم پر اور جسم میں کام ہوتا ہے یہ بہت سہل اور موٹی سی باتیں ہیں جو آسانی سے ہر ایک کی سمجھ میں آ جاتی ہیں۔ صرف ذرا اس کاروبار کو نظر تحقیق سے دیکھنے کی ضرورت ہے تینوں ہی کام کے اظہار کے ذریعہ ہائے ہیں اور جب ہم ان کے کام کے نظاروں کو دیکھنے لگیں تو ان میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔

یہی اصول روح کے متعلق بھی کام کرتا ہے۔ روح دیہانی اندر اور نے لطیف سے مختلف ہے۔ اور جس کی مدد سے جہاں کام ہو رہا ہے وہ ان سے بالکل جدا ہے ۔

جس وقت روح کا تعلق حالت بیداری سے ہے۔ وہ اندریوں سے کام لیتی ہے اور جب وہ سوپن کی اوستھا میں چلی جاتی ہے۔ اندریوں کو ویسے ہی الگ کر دیتی ہے۔ جس طرح انسان سوتے وقت اپنے کپڑے اتار کر کسی کھونٹی سے ٹانگ دیتا ہے۔ سوپن کی حالت میں جا کر وہ لطیف اندریوں کے ساتھ کھیل کود کرتی ہے جو جسم کے اندر ہیں اور باہری حواس سے مختلف ہیں۔ ان کا اختلاف لطافت اور کثافت کی نظر سے ہے جس وقت وہ بیداری میں تھی باہری سکھوں کے فکر میں مبتلا تھی۔ خواب میں اس کی حالت بدل گئی۔ وہ پہلے سے کچھ زیادہ زبردست بن گئی۔ اور یہاں اپنے من کی مدد سے تمام ضروری چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ حالت خواب کے طبقہ میں نہ زمین ہے نہ سمندر ہے۔ نہ گھوڑے ہیں نہ ہاتھی ہیں۔ لیکن جہاں اس نے خیال کیا۔ اسی وقت سب کچھ آناً فاناً میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اور محض خیالی طاقت کی مدد سے سب کچھ اس کے سامنے آ جاتا ہے۔ یہاں اس کے لئے کوئی کام مشکل یا غیر ممکن نہیں ہے جو چاہتی ہے

پیدا کر لیتی ہے۔ اور ایک لمحہ میں بلا تردد پیدا کرتی ہے۔ جہاں بھی چاہتا ہے گھومتی پھرتی ہے کوئی روک ٹوک نہیں نہ کسی طرح کی بندش ہے مگر اس مقام پر آکر یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ سب کچھ یہی حالت ہے اس میں شک نہیں۔ اس کا رتبہ بڑھ گیا۔ وہ نسبتاً آزاد بھی ہے مگر جو سکھ اس نیند کی حالت میں اس کو میسر آتے ہیں۔ وہ بالکل خالص اور پاک نہیں ہوتے اُن میں دکھ کی آمیزش رہتی ہے۔ کبھی کبھی ایسا وقت آجاتا ہے کہ وہ خاص قسم کی تکالیف اور مصیبتوں کی آماجگاہ ہو جاتی ہے۔ وہ ناخوشگوار شخصیتوں کو پیدا کر لیتی ہے خواہ یہ سمجھو کہ وہ ان کا خواب دیکھتی ہے۔ اس کے اپنے خیال کے دیاروں سے بنے ہوئے مخلوق ڈراؤنی صورتیں دکھا کر پریشان کر دیتے ہیں۔ ایسی بھیانک شکلیں نظر کے سامنے آجاتی ہیں۔ جن کے دیکھنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ خیالی گھر میں خیالی چور آکر چوری کرنے لگتے ہیں اس کو ان کے ساتھ لڑنا جھگڑنا پڑتا ہے۔ وہ مصیبت سر پر آجاتی ہے کہ خدا کی پناہ۔ غرض صدہا سخت درد اور پریشانی ہے۔ بعض وقت تو ایسی جانکاہ حالت ہوتی ہے کہ جس کا اس دنیا میں وہم و خیال تک نہیں ہوتا اس کا اس دنیا کے ساتھ کیا مقابلہ ہے۔ بعض صورتوں میں تو وہ بیدار ہو کر بھی ان مصیبتوں کو

یاد کر کے ڈرتی ہے۔ اور جیسے ہوا کے جھونکوں سے کیلے کے
پتے کانپتے رہتے ہیں۔ ویسے ہی یہ بھی لرزتی ہے۔ ایسے
واقعات ممکن ہے حالت خواب میں بھی سب پہ گذرے ہوں
یا گذرتے ہوں ؟

مگر سوشپتی یعنی گہری نیند کی حالت اس سے بالکل مختلف
ہے۔ اس طبقہ میں آکر وہ من کے لطیف حواس کو بھی پرے
پھینک دیتی ہے۔ وہاں نہ من ہے نہ جسم اور نہ جسمانی حواس
ہیں۔ روح اپنے نور سے آپ منور اور اپنی نرالی شان میں
آپ شاندار ہو رہی ہے نہ کسی بات کی خواہش ہے نہ
کسی چیز کی حرص ہے وہ مکمل ہے۔ یہاں وہ ناقص یا محدود
نہیں ہے اور نقص و محدودیت سے علیحدہ ہو کر جب اُسی کو
کسی کا سودا نہیں رہتا۔ تو یہ امر لازمی ہے کہ وہ خود سکھ
سروپ ہو جاتی ہے۔ کیا اس حالت سے نیچے اُتر کر تم یہ نہیں
کہتے۔ واہ واہ کیسی اچھی نیند تھی۔ جس میں درد و کلفت کا
نام و نشان تک نہیں تھا۔ دنیا کے جھمیلوں سے نجات پاکر
خوش تھے۔ سکھ کا علم تو تم کو ضرور رہتا ہے کیونکہ اگر یہ علم
مفقود ہوتا تو بیدار ہو کر تم کبھی یہ نہ کہتے کہ ہم سکھی تھے
یہ دوسری بات ہے کہ تم اچھی طرح اس کا اظہار نہ کر سکو
مگر جانتے ضرور ہو اور تمام انسان اس کا علم رکھتے ہیں۔

نادان سے نادان اس سے ناواقف نہیں ہے۔ گو ان کے خیال کرنے اظہار کرنے اور سمجھنے میں اختلافات ہوں۔ اس حالت کی چاہ ہر شخص کو ہوتی ہے ؛؛

یہ حالت بھی روح کی حالت نہیں ہے یہ بھی مسلسل زنجیر کی ایک درمیانی کڑی ہے۔ جو جسم اور دل کے پرے ہے۔ مگر اب تک اصلی روحانی حالت کے درمیان اور اس کے درمیان فرق ہے۔ اس میں ایک طرح کا گیان ہے اور تم خود ہی جاگنے پر ایسے لفظوں میں اس گیان کا اقرار کرتے ہو۔ "ایسے سوئے تن بدن کی خبر تک نہ رہی" ؛؛

ساتواں پیغام

اندرونی نظارہ (مسلسل)

ان تینوں حالتوں پر ذرا غور کرو۔ پہلی حالت یعنی جاگرت اوستھا میں یہ روح ہی تھی۔ جو سنگھ کا بھوگ کر رہی تھی۔ مزا کون لیتا تھا؟ کیا حواس مزا لے رہے تھے۔ نہیں کیونکہ یہ بیجان اور مردہ ہیں۔ ان کو روح کی دھار سے مدد ملتی تھی۔ روح کی زندگی کی دھار نے ان کو زندہ کر رکھا تھا۔ اگر یہ دھار کسی طرح اوپر کی طرف کھچ جائے۔ خواہ جسمانی اعضا میں کسی

طرح اس کا آنا بند ہو جائے۔ تو وہ بے مصرف ہو جائے۔ ہاتھ اُس کی حرکت سے حرکت میں ہے ہاتھ پر ذرا ایک بند باندھ دو دھار کا آنا بند ہوا نہیں کہ وہ بے کام ہوا نہیں۔ پاؤں جب دب جاتا ہے۔ وہ بے حرکت ہو رہتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ میرا پاؤں سو گیا۔ حقیقت میں وہ سویا نہیں بلکہ دب جانے کی وجہ سے دھار کا آنا بند ہو گیا تھا۔ اور اب وہ مرض معطل ہے۔ اسی طرح اگر وہ دھار زبان سے۔ آنکھ سے۔ ناک سے اور کان سے کھچ جائے تو اُن کا چکھنا۔ دیکھنا۔ سونگھنا سننا۔ سب موقوف ہو جاتا ہے ایک آدمی کو سکتہ ہو گیا وہ بیہوش پڑا ہوا ہے۔ دھار اوپر کی طرف کھچ گئی ہے۔ اب ذرا اُس سے کہو کہ وہ زبان سے چکھے۔ کان سے سُنے۔ آنکھوں سے دیکھے تو سہی۔ یہ سب اندریاں کیسے کام کریں۔ کیونکہ جس کے آدھار پہ یہ کام ہو رہے تھے۔ اُس نے اپنے آپ کو اور طرف سمیٹ لیا۔ اس کی عدم موجودگی میں کون کام کر سکتا ہے۔ اور کیا کام کر سکتا ہے۔ کسی کو دارو بیہوشی سونگھا کر بیہوش کر دو۔ دھار اوپر دماغ کی طرف چلی گئی ہوش نہیں رہا۔ بیہوش پڑا ہوا ہے۔ کشفی طاقت کے عمل سے بھی بیہوش کر کے دھار کو اُٹھایا جا سکتا ہے اُس کا بھی وہی نتیجہ ہوتا ہے۔ خاص خاص بیماریوں میں بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ سوشپتی یعنی

گہری نیند میں کیا ہوتا ہے۔ دھارہ جسم کے طبقات کو چھوڑ بیٹھتی ہے۔ سب اندریاں بیکار ہو جاتی ہیں۔ اور اُن سے پھر کوئی کام نہیں لیا جا سکتا۔ اس پر غور کرنے سے جو سبق ہم کو ملتا ہے وہ یہ ہے کہ سکھ کی بھوگنے والی صرف روح ہے۔ اندریاں یا جسم نہیں ہیں کیونکہ جسم اگر بطور خود طاقت والا ہوتا تو رُوح کی علیحدگی کے بعد سُکھ بھوگ سکتا ؛

نیند یعنی سوپن کی حالت دوسری ہے۔ جہاں جسم یعنی ستھول شریر کے ساتھ تعلق نہیں رہتا۔ یہاں من رہتا ہے۔ جس کو لطیف حواس کہتے ہیں اس جگہ سوا من اور روح کے تیسری کوئی چیز نہیں ہے۔ روح من کی مدد سے سب کچھ پیدا کر لیتی ہے۔ اس اوستھا سے جو سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ روح ہی سکھ کے اسباب کی پیدا کرنے والی ہے ؛

سوشپتی گہری نیند کی اوستھا تیسری حالت ہے۔ یہاں اندرونی حواس ہیں نہ بیرونی۔ روح آپ ہی آپ ہے۔ اور کوئی نہیں۔ کیونکہ اگر کوئی اور چیز ہوتی تو ایک کو دوسرا جانتا اور جاننے کی کوشش کرتا حقیقت میں یہاں دوسری شئے معدوم ہوتی ہے مگر یہ حالت بہت بڑے سُکھ کی حالت ہے اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ رُوح خود ہی سُکھ سروپ ہے ؛

تین باتیں ہم کو ان تین حالتوں پر غور کرنے سے معلوم

ہوئیں - جو پھر دو بارہ کہہ دیتے ہیں :۔
(۱) سکھ بھوگنے والی روح ہے جسم تو اندر یاں ہیں ؛
(۲) سکھ پیدا کرنے والی روح ہے اور وہ من سے سکھ پیدا کرتی ہے :
(۳) روح خود سکھ ہے اس کے علاوہ کوئی سکھ نہیں ؛
یہاں اسی سفلی طبقہ پر بیٹھے ہوئے تم سکھ کی خواہش کرتے ہو اور سمجھتے ہو سکھ کسی اور شئے میں ہے - اور اس سے تعلق پیدا کرنے کے شائق ہوتے ہو - اس نادانی کا بھی کہیں ٹھکانا ہے ! خارجی دنیا میں کیا سکھ ہے یہ غلطی ہے جو کچھ سکھ تم کو سیر کوہسار - گلگشت چمن اور سفر سیاحت سے ملتا ہے - اُن سے تمہارے اندر سے آتا ہے - قدرت کی چلبلی صورتیں تم کو خوش نہیں کرتیں - تم آپ اپنے اندر سے خوشی کا سامان نکال کر باہری چیزوں پر ان کا عکس ڈال کر فریفتہ ہو جاتے ہیں - نہ سکھ عورت میں ہے - نہ اولاد میں ہے نہ سکھ دھن دولت میں ہے - نہ عزت میں ہے - فرض کرو تم کسی باغ میں تفریح تلاش کرنے گئے ، درخت قرینہ سے جا بجا لگے ہیں کیاریوں میں پھول کھلے ہیں - پرند شاخوں پر پھدکتے پھرتے ہیں - گاتے چہکتے ہیں - فوارہ سے پانی بہ رہا ہے - تم خوش ہو گئے تم نے سمجھا درختوں کے نظاروں سے

خوشی حاصل ہوئی۔ دل لگا ہوا ہے۔ طبیعت ہشاش بشاش ہے۔ ابھی تار گھر کا قلی تار لیکر آیا۔ لڑکا سخت بیمار ہے۔ اس خبر سے تمھارے دل کی رنگت بدل گئی۔ ہوش جاتا رہا باغ سے کہو۔ اب تم کو خوش کرے۔ پھولوں سے درخواست کرو۔ وہ غم غلط ہونے کا سامان نہیں۔ مگر وہ بے بس ہیں۔ وُہی چیزیں جو خوشی دینے والی سمجھی جاتی تھیں اب آنکھوں میں کانٹوں کی طرح کھٹکتی ہیں۔ برعکس اُن کا اثر پڑ رہا ہے۔ اب گلشن کی قدرتی فضا کدھر چلی گئی۔ اب وہ کیوں دلچسپی کی باعث نہیں ہے۔ کیونکہ دلچسپی اُس میں پہلے بھی نہیں تھی دل نے فرضی خیال پیدا کر لئے تھے۔ فرضی دلچسپی تھی جاتی رہی۔ الغرض سکھ باہر نہیں ہے۔ تمھارے اندر ہے اور اگر تم ہماری مانو اور تم سے ہو سکے۔ تو اپنے ہی اندر سکھ تلاش کرو۔ اِدھر اُدھر نہ بھٹکو اس کتاب کے افتتاحی صفحہ میں ایک فارسی کا شعر آیا ہے۔ وہ تمھارے غور کرنے کے قابل ہے:

ستم است گر ہوست کشد کہ بہ سیر سرو سمن درآ

تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بہ چمن درآ

ہم نے کہیں کہا تھا کہ ہم اپنے خیال کے اظہار میں صرف سکھ کی اصطلاح کو نظر کے سامنے رکھ کر حقیقت کا انکشاف کریں گے۔ اس لئے اس پر ذرا زیادہ وضاحت کے ساتھ

بات چیت کرنے کی ضرورت لاحق ہو گئی۔ لیکن اگر تم چاہو تو لگے ہاتھوں تم کو تمھاری ذات کے اور اوصاف کی طرف توجہ دلا کر بتاتے چلیں کہ جس طرح روح سکھ ہے ویسے ہی روح عقل اور زندگی بھی ہے۔ ست۔ چت۔ آنند۔ ذات علم۔ سرور یہ تمھارا وجود ہے ؎

بیداری کی حالت میں تم خارجی سامان کو دیکھ کو کتابوں کو پڑھ کر اوروں کی باتیں سنکر عقل و تمیز کرتے ہو۔ نیند کی حالت میں ان سب سامان کی عدم موجودگی میں تم تمام عقل و تمیز کی باتیں اپنے اندر (من) سے پیدا کرتے ہو۔ اور سوشپتی یعنی گہری نیند میں عقل مجسم ہو کر پڑے رہتے ہو اور اٹھتے ہی انبھو کرتے ہو۔ کہ وہ کیسی حالت تھی اس سے پھر تم کو تین سبق ملتے ہیں ؎

(۱) عقل والی باتمیز روح ہے ؎

(۲) عقل کی پیدا کرنے والی روح ہے ؎

(۳) روح خود عقل ہے ؎

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ عقل مدرسہ اور کالجوں میں جانے سے آتی ہے وہ غلطی پر ہیں۔ اگر مدرسہ اور کالج میں عقل کے رہنے کا امکان ہوتا تو میز کرسی۔ اینٹ اور کتب خانہ کی الماریاں اور کیڑے مکوڑے جو

صفحوں کی سیاہی چاٹتے رہتے ہیں۔ عاقل ہو جاتے۔ یا جتنے آدمی ان درس خالوں میں آیا جایا کرتے ہیں۔ سب کے سب عالم فاضل اور عاقل کامل ہوتے ہیں۔ یہ صرف من کے ٹکنے اور خارجی طور پر خیال دینے کے سامان ہیں علم جو کچھ ہے۔ وہ تمہارے اندر ہے۔ تم میں سے لڑکوں کو جو تعلیم دی جاتی ہے وہ دراصل من کی تادیب اور تربیت کی غرض سے ہے۔ جس کی جیسی اور جس درجہ کی تعلیم ہوتی ہے۔ وہ ویسے ہی اپنے اندر سے عقل و علم کے سامان پیدا کرتا ہے اور عالم و عاقل بن جاتا ہے انشا پرداز مضمون کہاں سے لاتا ہے۔ اپنے اندر سے لاتا ہے۔ ونیرو زرا حکمت عملی کے شعبدے کہاں سے ایجاد کرتے ہیں۔ اپنے اندر سے جو کچھ ہے اپنے اندر ہے۔ اور باہر اس کی عکسی صورت ہے ؛

اس طرح حالت بیداری میں زندہ رہنے۔ زندگی قائم رکھنے اور زندوں کی فہرست میں داخل ہونے کی غرض سے تم خارجی غذا کھاتے ہو۔ حالت خواب میں خیالی طور پر زندگی کے سامان پیدا کرتے ہو۔ اور سوشپتی میں یوں ہی زندہ رہتے ہو۔ یوگی برسوں سمادھی میں پڑے رہتے ہیں۔ غذا نہیں کھاتے۔ اگر زندہ رہنے کی طاقت غذا سے آتی تو پھر ان کو آٹھ دس دن میں مر جانا چاہئے تھا۔ یہاں بھی سوچنا

کرلئے وہی تین سبق تم کو پھر ملتے ہیں:-

(۱) زندہ رہنے والے وجود تم ہو:

(۲) زندگی کے سامان پیدا کرنے والے تم ہو:

(۳) تم خود زندہ ہو:

ان تینوں حالتوں پر جتنا غور کرتے جاؤ گے اتنا ہی تم کو سوچنے کا سامان ملے گا۔ اور اتنا ہی تم کو علم ذات حاصل کرنے کی طرف توجہ ہوگی جو کچھ ہے تمہارے اندر ہے۔ اندر ہی سے سب باہر آیا ہے۔ مگر چونکہ خارجی دنیا سے زیادہ تعلق پیدا کر لیا گیا ہے۔ اس لئے اُس کے خیال بہت گھٹے ہو گئے ہیں۔ اندر کی طرف مشکل سے توجہ جاتی ہے اور پریشانی نتیجہ ہوتی ہے۔ اگر ایک مرتبہ حقیقت کی سمجھ آجائے تو یہ راز خود بخود ظاہر ہو جائیں۔ اور غلطی و غلط فہمی کے آماجگاہ بننے کی نوبت نہ آئے ہم کہاں تک کھول کھول کر فاش فاش کہیں اہل طریقت کا مضمون ہے یہاں چونکہ تادیب و تربیت کا زیادہ خیال ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس لئے بہت وضاحت کے ساتھ گفتگو کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔ سوچنے والے اور سمجھنے والے کے لئے اتنا کافی ہے۔

اگر در خانہ کس است حرفے بس است
عاقلاں را اشارتے کافی است

اوپر جن تینوں حالتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ وُہی نہیں ہیں یہ بھی عکسی حالتیں ہیں۔ ابھی اور مقامات بھی باقی ہیں جن کا بتدریج اسی کتاب میں کہیں کہیں اختصار کے ساتھ بیان آئے گا۔ اور جس قدر توجہ و دل کی یکسوئی کے ساتھ اس کا مطالعہ کرتے جاؤ گے۔ اسی قدر حقیقت تک رسائی ہوتی جائیگی ؛

یہاں تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب صرف اتنا ہی ہے کہ رُوح جسم نہیں ہے وہ جسم سے علیحدہ چیز ہے اگر اس کو آسانی کے ساتھ ذہن نشین کر لو تو پھر کہنے والے کو بھی زیادہ کہنے کا حوصلہ ہو حقیقت پسند نگاہ حاصل کر لو لفظوں میں نہ اٹکو۔ نفس مُراد کی طرف نگاہ کرو۔ اور کام بنا بنایا ہے ؛

آٹھواں پیغام

اندرونی نظارہ (مسلسل)

بیداری۔ خواب۔ اور سوشپتی کی حالتوں میں بلا ناغہ ہمارا تمھارا سب کا گذر ہوتا ہے۔ مگر تم میں سے بہ مشکل کسی نے اس کتاب کے پڑھنے سے پہلے اس مضمون پر اس طرح خیال کیا ہو گا۔ اگر نظر اندر کی طرف مائل ہو گئی ہے تو اور بھی

وچار کرتے چلو۔ دیکھو کتنے نئے نئے خیال تمکو سوچنے سے لئے ملتے ہیں ؛

تم ست ہو۔ چت ہو۔ آنند ہو۔ سچد انند ہو۔ ذات محض علم محض اور سردار محض ہو۔ ان تین اوصاف کے ساتھ تینوں گنوں کا سمبندھ ہے۔ جب تک نگاہ اتنی اونچی نہ ہو جائے کہ وہ حقیقت تک ٹھہر سکے۔ تب تک مجبوراً تم کو گنوں کے طبقات میں رہنا لازمی ہے۔ گن کیا ہیں۔ وہ ست۔ رج اور تم ہیں۔ اور تینوں کے تین اوصاف ہیں۔ اُپاسنا۔ کرم اور گیان۔ ذیل میں ہم ان کی بہت ہی اختصار کے ساتھ صراحت کئے دیتے ہیں۔ اس پر غور کرو ؛

(۱) ست - چت - آنند - (حقیقت)

(۲) ست - رج - تم - (گن)

(۳) اُپاسنا - کرم - گیان - (طریق)

(۴) پرکاش - کشمکش - یکسوئی - (طریق کی انتہائی غرض)

(۵) سوپن - جاگرت - سوشپتی - (تین اوستھائیں)

(۶) ایشور - جیو - پرکرتی - (تین حالتیں)

(۷) وراٹ - ادیاکرت - ہرنیہ گربھ - (برہمہ کے تین روپ)

* ان سب اصطلاحات کی تشریح آئندہ پیغاموں کے سلسلہ میں ہو جائیگی۔ یہاں صرف مماثلت اور مشابہت دکھلانیکی غرض تھی اور کچھ نہیں ؛

(۸)۔ وشنو ۔ برہما ۔ شیو ۔ (برہم کے تین رنگوں کے عکس)
(۹)۔ وشو ۔ تیجس ۔ پراگ ۔ (جیو کے تین روپ)
(۱۰)۔ دیال ۔ کال ۔ مایا ۔ (طبقات آفرینش)
(۱۱) روح ۔ دل ۔ جسم ۔ (پنڈ کے جوہر ثلاثہ)
(۱۲)۔ اصل ۔ نقل ۔ عکس ۔ (حقیقت کے اظہار کے طبقات)

جاگرت میں کرم ہے ۔ سوپن میں گیان ہے ۔ سوشپتی میں آنند ہے اور چونکہ اس طبقہ کی زندگی میں انھیں تینوں سے گہرا تعلق رہتا ہے اور انھیں کا ابھیاس کیا جاتا ہے ۔ اس لئے جس طرح تمام کام تین گنوں کے طبقہ میں رہ کر ہوتا ہے ویسے ہی معمولی انسان جو کچھ کرتا ہے ۔ وہ گنوں ہی کے مقام پر بیٹھ کر رہتا ہے اور اس کے سب کام میں اُپاسنا ۔ کرم ۔ اور گیان کا شمول رہتا ہے ۔ اُپاسک کرم کانڈی اور گیانی صرف کمی بیشی کی نظر سے نام رکھے گئے ۔ ہیں ۔ جس مضمون سے زیادہ جس کو تعلق ہے ۔ وہ اسی نام سے نامزد کیا جاتا ہے ورنہ اور کوئی بات نہیں ہے سنت مت کی یہ بزرگی اور فضیلت ہے کہ لفظوں میں نہ اٹکا کر سب سے کام لینے کا حکم دیا جاتا ہے ۔ صرف اُن کی کثیف صورتوں کو ترک کر دیا جاتا ہے ۔

یوں تو خواب جاگرت اور سوشپتی کی حالتیں سب پر

گذرتی رہتی ہیں۔ مگر ابھیاس کرنے والے ان حالتوں کو جاگرت میں بھی پیدا کر لیتے ہیں۔ اس وقت اُنکو اور بھی اُن کی سمجھ آ جاتی ہے۔ جس ابھیاس سے جاگرت اوستھا میں باختیار خود یہ حالتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس کو "سرت شبد یوگ" کہتے ہیں جو سنتوں کا یوگ کہلاتا ہے اور موقعہ کے ساتھ اس پر اسی کتاب میں روشنی ڈالی جا سکے گی ان کے سوا اس دنیا میں کتنی حالتیں انسان پر گذرتی ہیں جن کا بیان خالی از طوالت نہیں۔ جاگرت میں علم کو اندریوں کے کام کا گیان ہوتا ہے سوپن میں من کے کام کا۔ مگر سوشپتی میں ان کے ابھاؤ ہونے سے یہ علم بھی نہیں رہتا۔ بعض بعض آدمیوں پر ایک خاص قسم کی حالت گذرتی ہے وہ سوتے رہتے ہیں آنکھیں بند رہتی ہیں۔ مگر چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ کام بھی کرتے ہیں۔ مگر جب جاگتے ہیں اور اُن سے پوچھو تو کام کی مطلق یاد نہیں رہتی اس وقت روح اندریوں سے کام لیتی ہے۔ مگر من اس طرح روح کے ماتحت رہتا ہے کہ اپنے آپ کو غالب نہیں کر سکتا۔ روح اس حالت میں من اور اندریوں سے کام لیتی ہے۔ مگر اُن کو مغلوب کر رکھتی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ قوت یادداشت نہیں ہوتی۔ روح کا گیان حقیقت میں من اور اندریوں اور عقل و بدھی کے گیان سے بالکل مختلف اور جداگانہ ہوتا ہے وہ خود گیان ہے اور گیان سروپ ہے سمادھی میں بھی اسی طرح کی حالت ہوتی ہے عام لوگوں کا خیال ہے کہ سمادھی جڑتا یعنی غفلت کی اوستھا ہے یہ سخت

غلطی ہے بلکہ برعکس اُس کے وہ روشن ضمیری کی حالت ہے جس کا بیان کرنا ذرا مشکل کام ہے ؎

الغرض ان سب حالتوں پر غور کرنے سے حقیقت کے متعلق طرح طرح کے راز معلوم ہوتے ہیں۔ جو روح کو ان سب سے نیاری اور علیٰحدہ ثابت کرتے ہیں ؎

نواں پیغام

تین طرح کے دکھ

دنیا میں دُکھ ہے۔ یہ صحیح واقعہ ہے۔ وہ شتر مرغ کی طرح تم جس قدر چاہو اُس کی ہستی سے انکار کرتے چلو۔ مگر تمھاری توجہ خواہ مخواہ اُدھر اُس کی طرف جائے گی اور اُس کے زیر اثر آنا پڑے گا کیا یہ غلط ہے؟

یہ کیوں موجود ہے؟ کیوں و کس لئے اس کی ہستی ہے؟ اس کا جواب آسان ہے کیونکہ ہم موجود ہیں۔ ہمارے کام اور ہمارے خیال موجود ہیں۔ مادہ موجود ہے۔ اور موجودہ نقطہ خیال کی وجہ سے مادہ کی ہستی کا خیال خود بخود ہم کو اپنے اثر سے پامال کرتا ہے جب تک کرم ہیں۔ تب تک پھل ہیں۔ جب تک خیال ہے تب تک خیال کا اثر ہے ؎

عام طور پر ہندوؤں کو کہا جاتا ہے کہ وہ دُکھ کی خیال کی اشاعت کرتے ہیں۔ اور اُن کے آچار یہ دُکھ ہی کو مرکز خیال بنا کر مذہبی تلقین کا سلسلہ جاری کرتے ہیں ہم پُوچھتے ہیں پھر اور کون سی تدبیر ہے جس سے کام کیا جائے۔ ہر شئے کا مقصد ہوتا ہے مقصد کا خیال خود کسی سبب سے پیدا ہوتا ہے۔ ہندو مذہب مصیبت پسند نہیں ہے بلکہ راحت پسند ہے۔ ہاں دُکھ کو مصیبت کا باعث سمجھ کر اس سے چھٹنے کی تدبیر سمجھائی جاتی ہے۔ اور سُکھ کے سادھن کا ابھیاس بتا کر سچے سُکھ کی معراج اور آدرش پر پہنچانے کا اہتمام کیا جاتا ہے اگر شروع شروع میں دُکھ کا خیال نہ پیدا ہو تو سُکھ کا خیال کیسے پیدا ہوگا۔ دُکھ کی موجودگی ہی سے سُکھ کی چاہ ہوتی ہے اور مذہب دُکھ اور سُکھ کی وضاحت کرتا ہوا ایک ایسے لافانی سُکھ کی طرف اشارے کی اُنگلی اُٹھاتا ہے اور اُس کے حاصل کرنے کی تدبیر بتاتا ہے۔ جو اپنے اندر ہے۔ اور خود اختیاری ہے ؀

ہدایت کی جاتی ہے۔ خوش رہو۔ خوشی سے زندگی بسر کرو۔ کہنے میں تو یہ الفاظ کانوں کو بہت اچھے لگتے ہیں مگر ان سے اس بات کا پتہ نہیں ملتا۔ کہ کس طرح اور کس تدبیر سے ہم رہیں کہ دُکھ نہ ہو۔ دُنیا میں ہر جگہ دُکھ نظر آتا ہے ہر شخص کی زندگی میں کبھی کبھی ایسے واقعات آجاتے ہیں۔ کہ اس کی حالت قابلِ رحم ہو جاتی ہے۔ یہ طبقہ مرکب رچنا کا ہے جہاں ترکیبی رچنا ہو گی۔

وہاں دُکھ کیسے نہ ہوگا! جب ایک سے دو ہوتے ہیں۔ تب ہی کھٹ پٹ ہوتی ہے دو میں کھٹ پٹ کا ہونا امر لازمی ہے۔ ہزار کوشش کرے کوئی نہ کوئی وقت ایسا ضرور آجائے گا۔ جب دلوں میں رنجش اور کدورت ہوگی۔ اگر تم کو دعویٰ ہے تو اس رچنا میں ہم کو ایسا کوئی مخلوق دکھا جس کو کبھی نہ دکھ ہوتا ہو۔ اور وہ ہمیشہ خوش رہتا ہو۔ نظری پہلو اور ہے۔ اور عملی پہلو اور ہے یہاں کسی بات کا ٹھکانا نہیں ہے دم کے دم میں کیا ہو جائے گا۔ کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا دنیا با اُمید قائم ضرور ہے مگر امید اور انتظار بھی تو بالکل دُکھ سے خالی نہیں ہیں قدم قدم پر گرتے ہیں لمحہ لمحہ امتحان اور آزمائشوں کے موقعے آتے رہتے ہیں۔ حالتیں بدلتی رہتی ہیں تبدیلی میں دُکھ ہوتا ہی ہے۔ اس کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ ہر شخص خوش رہنا چاہتا ہے خوشی ہر ذی روح کے خمیر میں داخل ہے۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ مگر ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ کوئی ناگہانی بلا سر پر آجاتی ہے یا کوئی عزیز و اقارب قبل از وقت دُنیا سے کوچ کر جاتا ہے چلتے پھرتے اتفاق سے ہاتھ پاؤں میں موچ آجاتی ہے۔ تب دُکھی ہونا پڑتا ہے بعض لوگ دُکھ سے گھبرا کر خودکشی کر بیٹھتے ہیں۔ معطلی۔ برخاستگی۔ بےحرمتی بیماری۔ موت الغرض ہزاروں قسم کے دُکھ ہیں۔ کوئی کہاں تک ان کا بیان کر سکتا ہے۔ ان کے لئے وقت مقرر نہیں ہے۔ کون جانے یہ کب سر پر آ پہونچیں۔

اُس وقت بتاؤ تم دُکھی ہو گے یا سُکھی ان کی طرف سے آنکھیں بیچی جا سکتی ہیں ہزار آنکھیں بند کرو تمھاری آنکھ بند کر لینے سے ہوتا کیا ہے مانا تم خیال کے مضبوط سہی۔ مگر اوروں کو کیا کروگے۔ اوروں کی خیالی حالت تم پر حملہ کریگی اور کچھ نہ کچھ اس سے ضرور متاثر ہونا پڑے گا۔

ہندو اس کو جانتے تھے اور بالعوض اُس کے کہ وہ دُکھ کے واقعی ہستی سے انکار کرتے۔ مردانہ وار اس کا مقابلہ کر کے مغلوب کرنیکی تدبیریں سوچیں۔ تمام فلسفیوں کی شاخیں اس کوشش کی نتیجہ ہیں۔

تمام ہندو فلاسفروں نے دُکھ کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ ادھی دیوک ادھی بھوتک اور ادھیاتمک۔

ادھی دیوک دُکھ وہ ہے۔ جو دیوتاؤں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ دیوتا قدرت کی طاقتوں کا نام ہے۔ وہ ہر انسان کیا ہر مخلوق کی زندگی پر اثر انداز رہتے ہیں۔ اُن کا اثر اس طبقہ کے تمام موجودات پر پڑتا ہے۔ اور اس کا خاص قسم کا اثر ہوتا ہے۔ سورج۔ چاند۔ ستارے۔ بجلی۔ آگ۔ پانی۔ ہوا یہ سب قدرت کی طاقتیں اور دیوتا ہیں۔ اُن کے اثروں کے کام عجیب عجیب ہوا کرتے ہیں۔ اکثر مخلوق اُن کے اثرات کی شکار ہوتی رہتی ہے۔ پیدائش سے لیکر تا دم مرگ اُن کی وجہ سے دُکھ ہوا کرتے ہیں۔ اور ہوتے

رہیں گے ؛

ادھی بھوتک دُکھ وہ ہے۔ جو بھوتوں یعنی کثیف عناصر کے مخلوق کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس میں ہر قسم کے درند۔ پرند۔ چرند وغیرہ سب شامل ہیں ؛

ادھیاتمک دُکھ وہ ہے جو اپنے خاص آتما یا دل کی وجہ سے ہوتا ہے یہ سب سے زیادہ خوفناک اور جانکاہ ہوتا ہے۔ اور جس قدر انسان کی دُنیاوی عقل نمو کا درجہ حاصل کرتی جاتی ہے۔ یہ دُکھ بھی ویسے ہی لطیف شکل اختیار کرتے ہوئے اس کو ستاتے رہتے ہیں۔ نفرت۔ رغبت۔ حرص و ہوس۔ رشک وحسد بغض وکدورت سب کا شمار ان کی فہرست میں ہے۔ دوسرے وہ دُکھ تو برداشت بھی کیئے جاتے ہیں مگر ان کی مار بری ہوتی ہے۔ جو بد نصیب انسان اپنے دل کی زد میں آجاتا ہے۔ اُس کی مصیبتوں کا حال کون کہہ سکتا ہے وہ اپنا آپ دشمنِ جاں ہو جاتا ہے۔ اپنے سایہ کو دیکھ کر پریشان رہتا ہے۔ اور جیسے کہ کیلے کے پتے ہوا کے جھونکوں سے کانپتے رہتے ہیں وہ خود اپنی خیالی خوف اور دلی وسوسات کیوجہ سے لرزتا رہتا ہے اور دکھوں کی تو ایک ہی دھار ہوتی ہے۔ مگر یہ دودھاری چھری ہے جو ہر طرف سے زخمی کرتی رہتی ہے دلی وخیالی مصیبتوں کا مارا ہوا آدمی نہ صرف اپنے وہمی خدشات سے پریشان رہتا ہے۔ بلکہ وہ اوروں کے ہم آہنگ خیال کو اپنے دل کی طرف

کھینچکر اس کو دوزخ بنا لیتا ہے اس کے فکروں کی صورت گھنی ہوتی جاتی ہے اور وہ اُس کو انسانیت کے طبقہ سے گرا کر نیچے نرکوں کے طبقہ میں پہنچا دیتی ہے وہ چونکہ اپنے دل سے خائف رہتا ہے اُس کو اپنے دوست احباب عزیز و رشتہ دار کسی کا بھی اعتبار نہیں رہتا۔ چور کی ڈاڑھی میں تنکا جس طرح ریشم کا کیڑا اپنے تار و پود کی تھیلی میں آپ گرفتار ہو رہتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی اپنے ہی مصیبت بخش خیالوں کا نشانہ بن کر دکھی اور پریشان رہتا ہے۔ دنیا نظروں میں سیاہ اور اندھیری ہو جاتی ہے طرح طرح کے مرض دل سے پیدا ہوتے ہیں۔ خون۔ خراب۔ معدہ خراب اعضاء رئیسہ خراب۔ ہڈی اور چمڑے تک ان کا اثر پہنچتا ہے۔ اور اُس کی حالت کیسی عبرتناک ہو جاتی ہے۔ کیا یہ دکھ نہیں ہے؟

بہت سے اجرام سماوی کے اثرات کا یقین نہیں کرتے۔ وہ نہ کریں۔ ہم کو اُن کے ساتھ جھگڑا نہیں ہے۔ گو ہم جانتے ہیں کہ اُن میں سچائی ہے بہر حال کوئی مانے یا نہ مانے یہ سنسار دکھوں کا گھر ہے۔

سنتوں میں سے بعض بعض نے صرف دو قسم کے دکھ بیان کئے ہیں ایک دلی دوسرا جسمانی۔ یہ تفریق و تقسیم اور بھی زیادہ واضح ہے۔ جو ادھی دیوک دکھوں کو نہیں مانتے۔ وہ غالباً دلی و جسمانی دکھوں کی موجودگی سے تو انکار نہ کریں گے۔

دسواں پیغام

سُکھ اور دُکھ کی سچی تمیز

سنتوں کے مذہب میں سُکھ اور دُکھ کی تمیز کی صراحت عجیب طور پر کی گئی ہے۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ جب ہم اندرونی اور بیرونی ناخوشگوار حالتوں سے دوچار ہوتے ہیں۔ تو دکھ کا علم ہوتا ہے۔ اور وہ ہمارے دُکھ کے باعث اس وجہ سے ہوتے ہیں۔ ہیں کہ ہمارے جسم اور دل کے ساتھ ان کو ہم آہنگی نہیں ہوتی۔ اگر وہ ہمارے موافق ہو جائیں تو خوشی اور سُکھ پیدا ہو۔ چونکہ وہ ناموافق اور ہم آہنگ نہیں ہوتے اس لئے دکھ ہوتا ہے اگر ہم تین قسم کے دکھوں پر جن کا نویں پیغام میں ذکر ہوا ہے تامل کے ساتھ غور کریں اور ایک ایک کو سنتوں کے نقطۂ نگاہ سے بیان کرنے لگیں تو مضمون طول طویل ہو جائے گا اور ایک علیحدہ بڑی کتاب بن جائیگی اس لئے دیدہ و دانستہ و عمداً طوالت سے درگذر کرتے ہوئے ہم صرف زندگی کے روزانہ برتاؤ کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ اور اُمید رکھتے ہیں ہمارے پڑھنے والے بغور ہماری باتوں کا مطالعہ کریں گے۔ کیونکہ یہ سنت مت کے بنیادی اصول ہیں۔ اگر ان کی اچھی طرح سمجھ بوجھ آگئی تو آئندہ جو کچھ بیان کیا جائے گا وہ بھی سمجھ میں آسکے گا۔ اگر یہ اصول سمجھ میں نہیں آئے۔ یا ان کو

فروگذاشت کیا گیا۔ تو پھر سنت مت کی اصلیت کا پتہ پانا مشکل ہو گا۔
ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ہم کسی چیز میں اپنی توجہ کو گاڑ دیں۔ تو ہم کو خوشی ملتی ہے سرور حاصل ہوتا ہے۔ اور سکھ ملتا ہے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے ہماری متحد توجہ بہ جبر اُس شئے یا اس نظارہ سے ہٹائی جائے۔ تو ہم کو دُکھ ہوتا ہے کیوں یہ بات سچ ہے۔ یا نہیں ؟ تجربہ یہ کہتا ہے کہ لفظ بلفظ سچ ہے اس لئے سکھ دُکھ کی سچی تمیز فقر توجہ کی کمی بیشی۔ توجہ کی تعلق اور بے تعلقی۔ توجہ کے اکٹھے پن اور اُس کے دُور ہونے کی تہ میں چھپی رہتی ہے۔ ہم نے کسی منظر کو بغور دیکھنا شروع کیا۔ اُس سے مل کر ایک ہو رہے۔ وہاں ہم اتنے خوش ہو جاتے ہیں۔ کہ اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی اُس سے ہماری توجہ زبردستی ہٹا دے تو ہم دکھی ہو جاتے ہیں مثلاً اس وقت ہم لکھ رہے ہیں۔ ہمہ تن لکھنے میں مصروف ہیں خبر نہیں ہمارے ارد گرد کیا ہو رہا ہے۔ ہم خوش ہیں۔ بلکہ بہت خوش ہیں۔ اگر کوئی شخص آ جائے اور مجبوراً لکھنے کو چھوڑ کر اس کی طرف راغب ہونا پڑے تو اُسی وقت دُکھ ہو گا۔ دُکھ کیوں ہوا۔ کیونکہ توجہ جبر کے ساتھ ہٹائی گئی۔ اُس کو اپنا مرکز چھوڑنا پڑا۔ دُکھ اور سُکھ کا سبب اس لئے اور کہیں نہیں ہے ہم میں ہے۔ اور ہمارے اندر ہے۔ چت کی ایکاگرتا اور دل کی یکسوئی میں درجے ہوا کرتے ہیں۔ اور اُن ہی کے مواقق ہمارے سُکھ اور دُکھ

کی حالت کی تقسیم و تفریق کی جا سکتی ہے ؛

جس قدر کوئی آدمی اپنی توجہ کو کسی شئے سے جوڑے گا۔ اُسی قدر اُس کو خوشی ہو گی۔ اور جس قدر سختی کے ساتھ اُسے ہٹایا جائیگا اُسی قدر اُس کو دُکھ ہو گا۔ ایک توجہ کے لگ جانے سے آدمی خود بخود اپنے اردگرد کے حالات سے غافل ہو جاتا ہے۔ اور اس طرف سے چت کے بے جبر ہٹائے جانے سے اُس کو دُکھ ہوتا ہے ایک مثال تو اُوپر آ گئی ہے دوسری ایک نجومی کی ہے جو ہاتھ میں دُوربین لئے ہوئے آسمان پر ستاروں کی گردش کا مضمون مطالعہ اور مشاہدہ کر رہا ہے۔ وہ اس قدر اپنے دھیان میں معروف ہے کہ اس کو سوائے اپنے مطلب کے اور کسی کا بھی علم نہیں ہے چاہے سخت دھوپ پڑ رہی ہو۔ کتنا ہی شور و غل مچایا جائے۔ مگر اُس کو کیا پروا ہے وہ ظاہراً اُس جگہ بیٹھا ہوا وہاں نہیں ہے چت آسمان پر گڑا ہے اور ستاروں کا ہجوم اُسی آنکھوں کے سامنے ہے۔ اس وقت کے لئے حقیقت میں ستارے اور سیارے اس کی نگاہ میں زندہ ہیں باقی اور تمام مخلوق مُردہ ہو گئے ہیں۔ اُس وقت اگر کسی نے آ کر اُسکی توجہ کو ہٹا دیا تو نتیجہ کیا ہو گا؟ کہ وہ سخت گھبرا جائے گا۔ دُکھی ہو گا۔ ممکن ہے دوربین بھی اُس کے ہاتھ سے گر کر الگ تھلگ جا پڑے اور اُس کے عقل و دل کو صدمہ بھی پہونچے ؛

ایک باپ نے اپنی توجہ کو اپنے لڑکے سے وابستہ کر رکھا ہے
اس کو دیکھتا سنتا ہے۔ اور اُس کی حرکات وسکنات میں خوشی
تلاش کرتا ہے۔ اُس کی خوشی کا مرکز لڑکا ہے اگر کہیں ناگہانی موت
سے لڑکا ہلاک ہو جائے تو ناداں دھوکا کھائے ہوئے باپ کی
توجہ اس پر سے ہٹ جائے گی اور وہ ایسی ناقابل برداشت
تکلیف کا شکار ہو گا کہ جس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ اس دکھ اور
سکھ کے منظر کی تشریح صرف اتنی ہی ہے کہ اس کی توجہ ایک شے
میں گڑی ہوئی تھی جب تک۔ وہ شے مطلوب سے وابستہ تھی۔
وہ خوش تھا جب وہ وہاں سے دور کے ساتھ کسی وجہ سے
ہٹائی گئی۔ وہ سخت پریشان ہو گیا۔ یہی قانون ہر جگہ کام کرتا ہے
سکھ اور دکھ بطور خود کوئی شے نہیں ہیں صرف دل کے توجہ
کی وابستگی اور وارفتگی کا مضمون ہے ہم کو سکھ اور دکھ کا انبھو
اسی طرح ہوا کرتا ہے ؛

دتاتریے انوسوئیا جی کے لڑکے تھے۔ اُنھوں نے توجہ
وولبستگی کا راز مختلف جانوروں کی حالت کے مطالعہ سے سیکھا
تھا۔ مرغابی۔ سانپ وغیرہ اس معاملہ میں اُن کے گورو تھے
کم سن بچہ کا دل بہت جلد آسانی سے ایک طرف لگ جاتا
ہے۔ اسی وجہ سے اس کو کھلونے۔ گڑیا کاغذ کی پتلیوں اور
تصویروں سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ شطرنج کے کھیل میں چونکہ

سن زیادہ لگ جاتا ہے - وہ خاص قسم کی خوشی کا باعث ہوتا ہے خوشی کسی اور چیز میں نہیں ہے صرف توجہ کی یکسوئی میں ہے بچوں کا دل جلد ایک طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی آسانی سے ہٹ جاتا ہے۔ مگر مسن اور زیادہ عمر والوں کا حال اس سے مختلف ہے اسی وجہ سے اُس کو دکھ کم ہوتا ہے۔ ان کو زیادہ ہوتا ہے۔ تفریح۔ کھیل۔ کود۔ سیر و تماشے کے تعلقات میں بھی یہی اصول کام کرتا ہے۔ اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اسی لئے عقلمندوں نے نصیحت کی ہے

شاید بستن اندر چیز وکس دل
کہ دل برداشتن کار است مشکل

اسی توجہ کو سنت مت میں سُرت کہتے ہیں اور سُرت ہی کو دوسرے معنی میں جیو سمجھا جاتا ہے۔ آئندہ ہم توجہ کی جگہ "سرت" ہی لفظ استعمال کریں گے۔

گیارھواں پیغام

(توجہ ہی ہمارے اندر سرت یعنی روح کی دھار کا ظہور ہے)

ہمارے جسم کے اندر کوئی شے ایسی ہے۔ جو اس کے تمام رگ۔ ریشے۔ اور اعضا کو طاقت دیتی ہے۔ اور ہم کو زندہ مخلوق کی حیثیت بخشتی ہے ہم صرف اُس کی وجہ سے زندہ ہیں۔

اور زندہ رہ کر کام کاج کرتے ہیں۔ یہ شے ہماری جسمی ترکیب۔ دلی ترکیب اور دماغی ترکیب کی روح رواں بن کر سب میں دھار کی شکل میں سرایت کی ہوئی ہے۔ اور گوشت پوست اور خون وغیرہ کو حرکت دے رہی ہے۔ اسی شے کا اصطلاحی نام "سرت" ہے جب تک اس کو جسم میں رہنا پسند ہے۔ ہر ایک عضو اُس کے اثر سے اپنے اپنے منصبی فرائض انجام دیتے ہیں۔ مگر جونہی وہ اس سے یا اُس کے کسی حصہ سے اپنی دھار کو سمیٹ لیتی ہے۔ خواہ بالکل ہی کوچ کر جاتی ہے۔ تب یہ جسم ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اور بالکل بےحس و حرکت بن جاتا ہے۔ اندریاں بیکار ہو رہتی ہیں۔ نہ اُن میں گرمی سردی کے احساس کی طاقت رہتی ہے۔ نہ اپنے آپ کو قاعدہ میں رکھ سکتی ہیں۔ اس کے رخصت ہوتے ہی بربادی مچ جاتی ہے۔ آنکھ کا دیکھنا دل کا دھڑکنا۔ چرم کا چھونا۔ ناک کا سونگھنا اور کانوں کا سننا موقوف ہو جاتا ہے۔ ٹانگیں چلنے سے معذور ہیں۔ ہاتھ پکڑ نہیں سکتے۔ زبان بول نہیں سکتی۔ یہ سب اُسی ایک شے کی ماتحت تھیں۔ جب وہ نہیں رہی تب یہ بھی نہیں رہے اُس کے جاتے ہی اُن سب کا نام۔ روپ تک ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ اُن کی ہستی کا دارومدار اُس کے قیام تک تھا۔ اب وہ نہیں ہے یہ بھی نہیں ہیں اُپنشد کہتی ہے۔ "اس کے کوچ کے کرتے ہی جس طرح طاقتور رتھ بان کے چھُوں بھن کرنے سے رتھ کے تمام

کیوں کانٹے۔ آرے سے پہیے خراب ہو جاتے ہیں۔ ویسے ہی اندریاں تباہ حال ہو جاتی ہیں۔ قوتِ سکونت جاتی رہتی ہے کیونکہ آنکھوں کا دیکھنا سُن کا سوچنا اس پہ منحصر ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ ؛

سرت کی دھار اپنا اظہار دلی یا جسمانی طبقہ میں دھار کی صورت میں کرتی ہے۔

اس دھار کی سمجھ اور اُس کی موجودگی کا علم مثالوں کی مدد سے بآسانی ہو سکے گا۔

یہ تو کسی قدر سمجھ میں آگیا ہو گا۔ کہ یہ دھار زندگی کے قائم رکھنے اور اُس کے باقاعدہ چلانے میں کس قدر ضروری ہے۔ مگر اب اس بات کا ذہن نشین کرنا اور کرانا مقصود ہے۔ کہ بعض صورتوں میں اُس کے رہتے ہوئے کیوں دُکھ ہوتا ہے۔ پہلے پیغاموں میں بتا دیا گیا ہے کہ دھار کی یکسوئی میں سکھ اور اُس کی ہر طرفی میں دکھ ہوتا ہے۔ یعنی جب جب یہ دھار اپنی مرکز سے ہٹائی جاتی ہے۔ اور بہ جبر ہلتی ہے۔ اس وقت دُکھ ہوتا ہے۔ ایک آدمی بیمار ہے۔ رو رہا ہے۔ چلاتا ہے۔ شور محشر برپا کئے ہوئے ہے کسی طرح اس کو چین نہیں ہے۔ صبح سے شام تک وہ بے قرار ہے۔ اُس کی بیقراری کی کوئی حد نہیں ہے ایک ہمدرد طبیعت والا انسان آیا۔ اُس نے ہمدردی کی باتیں کرنی شروع کیں دم دلاسا دینے لگا۔ بیمار کی طبیعت خود بخود ٹھکانے آگئی۔ وہ بیماری کا خیال بھول گیا۔ ایک لمحہ کے اندر ایسی

تبدیلی آگئی کہ عقل دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اب وہ ہنس رہا ہے۔ دل لگی و مذاق بھی کر رہا ہے۔ قہقہہ مار رہا ہے جو لوگ اصلیت سے باخبر نہیں ہیں وہ شاید یہ نتیجہ نکالیں کہ اس نے پہلے بیماری کا بہانہ بنایا تھا نہیں اُسکی اچانک کی تبدیلی میں ایک راز ہے جو سمجھنے اور غور کرنے کے لائق ہے۔ یہ راز اُس کے اندر سے باہر نہیں ہے۔ سبب یہ تھا کہ اس زخم رسیدہ کی توجہ بار بار دکھ کے مقام پر دھار روپ سے جاتی تھی۔ اور دھیان سے خیالی یا اصلی صورت میں ٹکی رہتی تھی۔ اس لئے دکھ ہوتا تھا۔ دھار کے بار بار جُٹنے اور ہٹائے جانے سے حد درجہ کی تکلیف تھی۔ اس کے دوست یا ہمدرد کی آمد نے یہ تبدیلی پیدا کردی کہ اس کی توجہ کی دھار دکھ کے مقام سے بالکل علیحدہ ہو گئی۔ اب اودھر توجہ نہیں ہے۔ توجہ کسی اور طرف ہے دکھ کے اندرونی مقام میں توجہ نہیں رہی۔ اس لئے دکھ بھی نہیں رہا۔ نہ توجہ کو اب دھکا لگتا ہے۔ نہ وہ ہٹتی ہے۔ وہ اب وہاں ہے۔ اور نہ ہٹائی جا رہی ہے۔ اس لئے دکھ بھی غائب ہے ؛

ایک لڑکا چھت پر سے گر گیا۔ سخت زخم آگئے۔ ممکن ہے ہڈیاں ٹوٹ گئی ہوں۔ ہاتھ میں سخت زخم آگیا۔ رگ کٹ گئی۔ اور جس رگ کے ذریعہ سرت کی دھار زخم رسیدہ حصہ میں آتی تھی۔ اس کو وہاں ٹھہرنے کا موقعہ نہیں ملتا۔ بار بار ہٹائی جا رہی ہے وہ دکھی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ قدرت کے قانون کے موجب جب اُس دھار نے بیہوشی کی حالت میں زخم کی جگہ کو چھوڑ کر خود بخود دماغ کی طرف رجوع کیا۔ دکھ دور

کافور ہو گیا۔ ہزار خون بہا کرے لڑکے کو دکھ نہیں ہے۔ دکھ تو اس وقت ہوتا جب سرت کی دھار زخم کے مقام پر اکٹھی ہو جاتی۔ اب وہ وہاں سے ہٹ چکی ہے۔ اس کا رجحان اوپر دماغ کی طرف ہے۔ جہاں سرت کا اصلی مخرج ہے اب وہ کیونکر دکھی ہو۔ دیکھنے والے ترس کھاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں بڑے دکھ کی بات ہے۔ مگر اصل میں لڑکا دکھی نہیں ہے۔ ان حالتوں میں سرت کی دھار دھکا پا کر ہمیشہ دماغ کی طرف چلی جایا کرتی ہے۔ اور چونکہ وہ تکلیف کی جگہ کو چھوڑ چکی ہے۔ دکھ نہیں ہوتا۔ اگر جب زخم شدید ہوتا ہے اور کبھی آدمی بہت پریشان ہو جاتا ہے۔ تجربہ کار حکیم زخم شدیدہ حصہ پر بیہوش یا بے حس کرنے والی دوا اس جگہ پر مل دیتے ہیں جس کی وجہ سے سرت کی دھار کی آمد بند ہو جاتی ہے اور مریض کو درد نہیں ہوتا۔ درد کیوں ہو۔ کیونکہ جسم کے بے حس ہو جانے سے چونکہ دھار کی آمد و رفت کا سلسلہ موقوف ہے۔ اس لئے اب سرت یا توجہ کو باہر پہنچائے جانے کا خطرہ نہیں رہا ہے۔ اس لئے دکھ کا پتہ نہیں ہے۔

یہ مثال جسمانی طبقہ کے متعلق تھی۔ اب ذرا دلی طبقہ کی طرف رجوع کیجئے وہاں بھی یہی تماشا نظر آئے گا۔ دلی طبقہ میں سوچنے والا من ۔ سرت کی دھار کے اثر و کام کا مرکز بنا تھا ۔ جسم میں تو رگ و ریشوں کی سڑکوں پر سرت کی دھار آیا کرتی ہے۔ دل کے طبقہ میں یہی کام خیال کرتا ہے۔ خیال ہی وہاں سرت کی سواری کا کام دیتا ہے۔ من کسی شکل یا کسی خوشگوار اور دلپسند تصور سے رغبت تعلق جوڑ بیٹھا تھا۔ اور اس کی کہ ارد گرد چاہ

لگا تا تھا۔ جس وقت اس کو کوئی دھکا پہنچا یا کسی عزیز و دوست کی موت یا بیماری کی خبر ملی اور کوئی ناگہانی آفتاد سر پہ پڑی۔ اب نتیجہ یہ ہوا کہ سرت کو زبردستی وہاں سے ہٹنا پڑا۔ اور وہ دکھ کا نشانہ بن گیا۔ جس طرح آدھی بھوتک اور آدھی دیوک دکھ جسم کے طبقہ میں ہوا کرتا ہے۔ اُسی طرح ادھیاتمک دکھ من کے طبقہ میں ہوتا ہے۔ قانون یہی ہے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں۔ ہاں دھار کی سواریوں میں فرق ہے۔ جسم میں رگ و ریشہ جو کام دیتے ہیں وہاں وہی کام خیال دیتا ہے۔ یہ حالتیں بیداری کے عالم کی ہیں۔ سوپن یا خواب کی حالت میں بھی جب من کسی خوشگوار خیالی منظر کو مرکز بناتا ہے۔ اور کسی ناخوشگوار یا خوفناک خیالی واقعہ کی وجہ سے سُرت یا توجہ کی دھار کو اُس سے بار بار ہٹنا پڑتا ہے۔ تب دکھ ہوتا ہے۔ توجہ کے مرکز سے ہم آہنگی سکھ اور توجہ کے مرکز سے ناموافقت و غیر مساعدت میں دکھ ہوتا ہے۔

سوشپتی۔ سمادھی یا بیہوشی کی حالت میں جو دکھ کا احساس نہیں رہتا اس کا بھی یہی سبب ہے۔ قانون ایک ہے۔ اس قانون کو ایک مرتبہ اچھی طرح ذہن نشین کر لینے سے جب سنت مت کی فضیلت کا اعتبار ہوگا۔ اور جیوں جیوں یہ سمجھ میں آتا جائے گا۔ تیوں تیوں سُرت شبد یوگ کی اصلیت اور اہمیت کی بھی سچی سمجھ آتی جائے گی۔ یہ سنتوں کا یوگ ہے جو تمام یوگ کے طریقوں میں افضل ہے۔ صوفیوں کے جملہ شغلوں میں بھی اس کو سلطان الاذکار یعنی سب سے بڑھ چڑھ کر مانا گیا ہے۔

بارھواں پیغام

بغیر آمیزش کے سکھ کا امکان

پرکرتی یا مادہ تبدیلی کی شے ہے۔ مادہ ہمیشہ تبدیل ہوا کرتا ہے۔ من بھی تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ بدھی بھی بدلتی رہتی ہے۔ کیونکہ تبدیلی مادہ کا خاصہ ہے۔ دنیا میں لمحہ لمحہ تبدیلیاں ہوا کرتی ہیں۔ جو اس وقت ہے اس وقت نہ رہے گا۔ جو آج ہے کل اس کا نشان بھی نظر نہ آئیگا۔

یک لمحہ یک ساعت یک دم
دگرگوں مے شود احوال عالم

اور جہاں اس قدر جلد جلد تبدیلیاں ہوتی رہیں گی۔ وہاں کیسے ممکن ہے کہ سرت یا توجہ کی دھار کو اپنے جسمانی روحانی مرکز سے ہٹنے کا موقعہ نہ ملے گا یہی سبب ہے کہ لوگ اس سنسار کو دکھ کا استھان کہتے ہیں۔ یہاں ہر شخص کو درد و مصیبت کا آماجگاہ بننا پڑتا ہے۔ جو چیز جس وقت جیسی نظر آئے۔ اس کو اس وقت ویسی اور اسی نظر سے دیکھو۔ اور دیکھ بھال کر تجربہ کی وسعت کے ساتھ اپنی بہتری کی تدبیر سوچ کر نکالو۔

ان باتوں پر غور کرنے سے بخوبی ذہن نشین ہو سکے گا کہ اس طرف رہ کر دکھ سے بچنا امر محال ہے۔ اس سے کسی صورت میں بچاؤ نہیں ہو سکتا کیونکہ جب تک سرت کا تعلق۔ مادہ، جسم اور من کے ساتھ

رہے گا۔ تب تک ضرور ہی دکھی ہونا پڑے گا۔ ان سے چھٹکارا حاصل کرلو۔ اور جس وقت وہ آزاد ہو جائیگی اور آپ اپنی اصلی حالت میں رہیگی کیونکہ جیسے پہلے کہا گیا ہے وہ ست۔ چت آنند ہے۔ یہ اُس کے جوہر ذاتی ہیں۔

حالت بیداری میں سُرت کا تعلق جسم اور اندریوں کے ساتھ رہتا ہے اور حالت خواب میں اُس کا تعلق من کے ساتھ رہتا ہے۔ ان دونوں طبقات میں دکھ اور درد ہے۔ کیونکہ سرت ان کو اپنا روپ سمجھ کر ان سے ناطہ جوڑ بیٹھتی ہے۔ مگر سوشپتی کی حالت میں اُن کے ساتھ اس کا لگاؤ نہیں رہتا اور وہ اُن سے آزاد ہو کر سکھی ہو جاتی ہے۔ مگر یہ حالت دیرپا نہیں ہے زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہتی۔ ان تین حالتوں کے علاوہ ایک چوتھی حالت بھی ہے۔ جس کو جوگی تُریا کہتے ہیں۔ یہ روحانی حالت ہے۔ اگر یہ میسر آ جائے۔ تو ہم کو دقتوں اور مصیبتوں سے نجات مل جائے اور جو درد اور دکھ ہم کو آئے دن روز روز ستاتے رہتے ہیں۔ پھر نہ ستائیں گے۔ یہ بیہوشیت۔ محویت و معدومیت کی حالت نہیں ہے۔ بلکہ روح کی اصلی پرکاش کی حالت ہے۔ اور اس کے بیان کرنے میں قلم اور زبان دونوں قاصر ہیں سنتوں کا تریا پد اوروں کے تریا پد سے مختلف ہے۔ جس کو وہ لوگ تریا تیت پد کہتے ہیں۔ اس سے کچھ اُس کا اشعہ ہو سکتا ہے ؛

اس حالت کے حاصل کرنے کے لئے۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ سب سے پہلے روح کی سمجھ بوجھ حاصل کر لی جائے اور اچھی

طرح ذہن نشین ہونے کہ سرت جسم ہے نہ من ہے وہ ان دونوں سے علیحدہ ہے
جسم اور من دونوں اپنی ہستی کے لئے سرت کے محتاج اور دست نگر ہیں۔ سرت
کسی حالت میں ان کی محتاج نہیں ہے۔ بلکہ آزاد و مطلق ہے۔ وہ ان کی
علیحدگی کے بعد بھی قائم رہتی ہے۔ مگر وہ روح کی علیحدگی کے بعد نہیں
رہ سکتے ان باتوں کی صراحت کسی نہ کسی پیرایہ میں اگلے پیغامات میں آ چکی ہے
جونہی یہ اپنی دھار کو سمیٹ لیتی ہے۔ تو جھٹ یہ بے معرفت ہو جاتے ہیں۔
جیسا کہ خواب۔ سوشپتی۔ بیہوشی اور سمادھی وغیرہ کی حالتوں پر غور کرنے
سے معلوم ہو سکتا ہے۔ سرت پھر بھی اپنے لازوال نور سے چمکتی رہتی ہے۔
مگر یہ سب کالعدم ہو جاتے ہیں۔

جسم۔ من۔ مادہ کی حیثیت اور روح کی اصلیت کسی قدر سمجھ لینے کے
بعد طالب صادق کو اس سرت کے بھنڈار یا خزانہ کا پتہ لگانا چاہئے
کیونکہ اگر کہیں سچا سکھ ہوگا۔ تو اسی سرت کے بھنڈار میں ہوگا۔ اور
وہاں کا سکھ بغیر دوئی یعنی آمیزش کے ہوگا۔ اس منزل مقصود تک
پہنچنے کے کئی درمیانی مرحلے ہیں جیسے کوٹھے پر چڑھنے کے زینے ہوا
کرتے ہیں؛

جو سرت ہم میں اور ہمارے اندر رہتی ہے وہ اس بھنڈار میں
سے صرف ایک ذرہ ہے۔ یا سمندر کی بوند اور سورج کی کرن ہے اس کی
اہمیت پر اعتراض کرنا غلطی ہے۔ کیونکہ اسی کی وجہ سے زندگی اور اس کے
اظہار کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ جب یہ سرت اپنی توجہ کو منعطف کرتی

ہے اور ہی تعجب خیز نتیجے پیدا ہوتے ہیں جس قدر دنیا میں عجیب عجیب کاروبار ہو رہے ہیں۔ وہ محض اس کی توجہ کی وجہ سے ہیں۔ ایجادات۔ اختراعات بدیعات۔ علم و ہنر۔ تہذیب و شائستگی کس سے پیدا ہوئے ہیں۔ سب کا ظہور بہرت کی وجہ سے آپ سمجھنا چاہیئے کہ اگر اس بوند کی کیفیت ہے تو اس کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ جو سب کا اور بھنڈار ہے اور سب کا مخزن ہے ؛

اس پنڈ میں ہر جگہ ہر چیز کے بھنڈار ہیں۔ لطیف و کثیف عنصر یعنی سوکشم واستھول تتوں کے بھی بھنڈار یہاں ہیں۔ سپتی اور دلیری وغیرہ اوصاف تک کے بھی مخزن ہیں۔ اور ان ہی بھنڈاروں سے جگت میں ان کے خواصوں کی تقسیم ہوتی ہے۔ سنتوں نے فرمایا ہے کہ یہ سورج مع اپنے تمام سیاروں و ستاروں کے خاص خاص قسم کی دھار اور طاقتوں کا خزانہ ہے۔ سورج بطور خود زندگی۔ حرارت اور طاقت کا خزانہ ہے۔ چاند روحانیت کا مخزن ہے ہماری مراد اُس چاند سے نہیں جو زمین کے گرد چکر لگا رہا ہے۔ بلکہ یہ وہ چاند ہے۔ جو نظام شمسی کے سب کی چوٹی پر ہے۔ اسیطرح برسپتی (عطارد) عقل و دانائی کا اور منگل (مریخ) جوانمردی اور دلیری کا بھنڈار ہے وعلی ہذالقیاس۔ جو کچھ کرے۔ ثوابت سیارے اور ستارے اس نظام شمسی میں ہیں ان سب کی نقلیں یا عکسی صورتیں انسان کے جسم کے اندر بھی ہیں سارا برہمانڈ اسی طرح کے بیشمار بھنڈاروں سے بنا ہوا ہے۔ اور برہمانڈ

کے تمام بھنڈاروں کا ادھشٹاتا وراٹ پرش کہلاتا ہے۔ اسی طرح جسمانی بھنڈاروں کا ادھشٹاتا جیو ہے۔ جو وراٹ پرش کی عکسی صورت ہے۔ ہزاروں بھنڈار انکے جسم کے جگہ جگہ میں موجود ہیں۔ چوٹی سے لیکر ایڑی تک اُن کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے کوئی جگہ ان سے خالی نہیں۔ اور ان کی دھاریں موقع موقع سے نکل کر اپنا عمل کرتی ہیں۔ مثلاً جس وقت تم عقل و علم کی باتیں سوچتے ہو۔ من کی دھار نادانستہ یا دانستہ برہسپتی کے منڈل کو جا کر چھو لیتی ہے۔ اور وہاں سے ایک قسم کی ذہانت کی دھار کو ساتھ لیکر کام کرتی ہے ؏

بات اس قسم کی ہے کہ وہ ذرا مشکل سے سمجھ میں آتی ہے۔ کیونکہ ہم عملی طور پر اُسکو کر کے دکھا نہیں سکتے۔ صرف انجھو سے سمجھی جاتی ہے ایک کمزور انسان سے وزنی چٹان کے اُٹھانے کے لئے کہا گیا۔ اس نے اندازہ کیا۔ پتھر بہت بھاری معلوم ہوا۔ مگر لوگوں کے کہنے سننے اور اپنی ذاتی غیرت اور شرم کی وجہ سے آخر اس نے ہمت کی۔ اُس کے من کی دھار نے منگل کے منڈل کو چھوا وہاں سے خاص قسم کی دھار نکلی۔ دل سے گذر کر ہاتھوں میں آئی اور دیکھتے دیکھتے اُس نے وزنی چٹان کو اُٹھا کر پھینک دیا۔ اسی طرح ہر کام کی مشاقی کے سلسلہ میں اُن اُن مقاموں سے دھار اتری جو اُن سے منسوب تھے۔ انسان کے دل و دماغ میں خاص خاص طرح کے بھنڈار ہیں۔ جہاں سے اُن کی طاقتوں کی دھاریں اُتر کر جسم میں سرایت کرتی ہوئی کاروبار کرتی ہیں۔ اس لئے بھنڈار خلقت میں ہر جگہ نظر آتے ہیں ؏

اگر ہر چیز کے بھنڈار کا رچنا میں امکان ہے تو روحانیت کے اصلی بھنڈار کا بھی امکان ممکن ہے۔ اسکا بھی رچنا میں ہونا ضروری ہے۔ یہی ساری رچنا کا بیج اور اصول الاصول ہے۔ اور دوسرے سب کی کے آدھار ہیں۔ جس طرح ہمارے جسم میں شبھ کے تمام چکر مثلاً کنٹھ، ہردے، ناف وغیرہ خاص خاص طرح کی طاقتوں کے بھنڈار ہوتے ہوئے ہمارے سر کے بھنڈار سے اصلی طاقت پاتے رہتے ہیں۔ ویسے ہی سارے برہمانڈ کے چشمے وغیرہ اُن کی وجہ سے زندگی کی حرکت پاتے ہیں۔ اور وہاں سے وہ نکل کر سب میں پھیلی ہوئی ہے۔

اگر اس روحانی طرف یا سرت کے بھنڈار کا رچنا میں کہیں امکان ہے تو وہ بغیر شک کے سکھ کا بھنڈار ہوگا۔ اور اگر سرت لوٹ کر اور اُس سے مل کر ایک ہو رہے تو وہ ہمیشہ کے لئے دکھوں سے بچ جائیگی اور پھر اُس کے جنم مرن کا کھٹکا نہ رہے گا۔ سنت اسی بھنڈار کا ستلوک سوامی دھام اور رادھاسوامی پد کہتے ہیں۔

تیرھواں پیغام

سکھ کی تلاش باہر نہیں۔ بلکہ اپنے اندر کرنی چاہئیے

جس اصلی روحانی بھنڈار کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ وہی سرت کا منزل مقصود ہے۔ وہی شانتی کا آسرام ہے۔ اور وہاں دکھ کا نام و نشان

بھی نہیں ہے اگر واقعی وہ ہے تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ من اور مایا کے طبقات سے پرے ہوگا۔ اور وہاں ذرا بھی ان کی آمیزش نہ ہوگی کیونکہ دکھ وہاں ہی ہوتا ہے۔ جہاں من اور مایا کی ملونی ہے۔ اور اگر سُرت اُن کے ڈھکنے والے غلافوں کو پھینک کر اور اُن سے تعلقات کے رشتہ کو توڑ کر اُس پاک اور نرمل ستھان میں داخل ہو جائے جو روحانی اور سرور محض ہے۔ تو وہ پھر ہمیشہ کے لئے سکھی ہو جائے گی۔ سفلی یا نیچے کے طبقات میں وہ مایا اور من کے اثرات کے ماتحت ہیں وہاں اُس کو اُن سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ اسطرف مایا یا مادہ ہے اُسطرف روح ہے درمیان میں من ہے من ایک قسم کا پل ہے جو روح اور مادہ کے درمیان حائل ہے پُل کے پار چلے جاؤ۔ اور روح کے مقام میں داخل ہو جاؤ گے۔ من ہی اُن کے بیچ حد فاصل ہو رہا ہے۔ یہی اِدھر راغب نہیں ہونے دیتا۔ اس کو تم پکڑ لو۔ حد فاصل کی دیوار توڑ دو۔ روح کے طبقات میں داخلہ کا استحقاق نصیب ہو گا۔

کیا یہ طبقہ ہم سے دُور ہے؟ ہاں اور نہیں۔ جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ برہمانڈ سے بھی پرے ہوگا کیونکہ برہمانڈ خود من اور مایا کے ملونی سے ظہور پذیر ہوا ہے اور اس نظر سے اگر ہم برہمانڈ کو پھلانگ کر اس کے پرے جانا چاہیں گے تو یہ چڑھائی نہایت مشکل اور کٹھن ہوگی اور کون جانے وہ مل بھی سکے گا یا نہیں۔ مگر سنتوں نے ہمیشہ سے فرمایا کہ وہ تمہارے اندر بھی ہے اور اگر اپنے

اندر راستہ تلاش کرکے چڑھائی کی جائیگی۔ تو اس وقت تک پہنچنا ہو سکیگا
تاہم کام اتنا سہل نہیں ہے۔ جتنا تم سمجھتے ہو۔ تم کو ہر قسم کی دقت مزاحمت
اور رکاوٹ پر غالب آنے کی کوشش کرنی پڑے گی۔ اور جب قلعہ پر دھاوا
بول کر اس پر مستعدی اور ثابت قدمی کے ساتھ حملہ کروگے تب کہیں اُس تک
پہنچو گے۔ ہوشیاری سے کام لینا ہوگا۔ راستہ میں جنگ کرنی ہوگی۔ دشمن
کی فوج کو سنگسار کرنا ہوگا۔ ہمت۔ شجاعت۔ استقلال اور ثابت قدمی کیساتھ
کچھ دنوں لڑتے ہوئے تب قلعہ فتح ہوگا۔ اور اس پر فتح پاکر روحانی سلطنت
میں باریاب ہو سکوگے۔ جہاں تم اس وقت رہتے ہو۔ اور وہ من اور
مایا کی سلطنت ہے اس کی سرحد کے بعد روح کی خالص سرحد آتی ہے اگر
اس کی ہوس ہے تو دلیر اور جانباز ہو۔ کمزور، بزدل اور ڈرپوک اُس کی فتح
نہیں کرسکتے۔ جی کھول کر لڑو۔ قدم جب پڑے آگے کی طرف پڑے نہ
دائیں بائیں دیکھو نہ پیچھے پھر کر دیکھو پیچھے پھر کر دیکھنے کی سخت ممانعت
ہے۔ آگ اور پانی کی بارش سے گزرتے ہوئے دلیری کے ساتھ چلے چلو
ایک دن وہ تمہارا اپنا ہو جائے گا۔

یہ روحانی سلطنت تمہارے اندر ہے۔ اور اپنے ہی اندر اس کی تلاش ہونی چاہیے۔

سنتوں کا قول ہے کہ جسم انسانی برہمانڈ کا چھوٹا نمونہ ہے۔ یہ بطور خود چھوٹا برہمانڈ ہے۔ برہمانڈ عالم کبیر ہے۔ پنڈ۔ عالم صغیر ہے۔ اس جسم میں صرف برہمانڈ کے من اور مایا ہی کے طبقات کی عکسی اجمالی صورتیں

ہی نہیں موجود ہیں بلکہ اس میں امرت کے بھنڈار کا خلاصہ بھی ہے جس طرح
کوئی مصنف کسی بڑی کتاب کے مطالب اور واقعات کو لیکر مختصر چھوٹی شکل
میں ایک چھوٹی سی کتاب میں قلمبند کر دیا ہے۔ ویسے ہی برہمانڈ بڑی کتاب
اور پنڈ چھوٹی کتاب ہے جو کچھ اُس میں ہے وہی اس میں بھی ہے تمام ثوابت
سیارے جو اس میں ہیں۔ اس میں بھی ہیں۔ جو شخص برہمانڈ کا مطالعہ کرنا
چاہے وہ اپنے آپ کو اور اپنے جسم کو مطالعہ کرے اور وہ برہمانڈ کی ماہیت
اور اس کی تمام طاقتوں کا بھید پا جائے گا۔ رچنا کی تمام کیفیت لطیف و
کثیف اور کارسازیاں اس میں پائی جاتی ہیں معدنی۔ نباتاتی اور حیوانی
زندگیوں تک کے سارے نقشے اس میں ہیں۔ انسان یہ سب کچھ ہے
اور اس سے کچھ زیادہ بھی ہے۔ اس میں اعلیٰ درجہ کی روحانیت کا
امکان ہے وہ اس خصوصیت کے لحاظ سے دیوتا فرشتے اور نورانی موجودات
سے بھی افضل ہے۔ کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جو انسانی وجود کو اشرف
اور افضل نہ بتاتا ہو۔ جب تک وہ واسناؤں کے قید و بند سے جکڑا ہے
تب تک وہ کمزور نظر آتا ہے۔ مگر جہاں اُس کی نگاہ بلند ہوئی اور وہ
اپنی اہمیت اور بزرگی سمجھنے لگا وہ بالکل مختلف مخلوق ہو جاتا ہے اس
میں ترقی کے تمام مدارج کے ممکنات مجہولیت کی حالت میں دبے پڑے
رہتے ہیں۔ مگر جہاں وہ اپنے آپ کو سوچنے لگتا ہے۔ یہ سب ابھر کھڑے
ہوتے ہیں۔ اور وہ کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔

عالم معدنیات اُس کی سوشپتی کی اوستھا سے مشابہ ہے۔ معدنی زندگی

بالکل کثیف مادی زندگی ہے۔ یہ نہ سمجھو معدنیات مردہ وجود ہیں۔ وہ بھی زندہ مخلوق ہیں۔ مگر ہاں اُن کی زندگی ایک قسم کی سخت مجہولیت کی زندگی ہے۔ وہ بڑھتے گھٹتے بنتے بگڑتے۔ کھاتے پیتے رہتے ہیں۔ جذب کرنے اپنے میں ملانے اور پیوند کر لینے کی طاقت اُن میں بھی ہے۔ جہاں یہ سب قانون کام کرتے ہیں وہاں زندگی کی معدومیت کا کیسے گمان ہو سکتا ہے۔ یہاں ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ہے جو زندگی سے بے بہرہ ہو۔ پُرش اور پرکرتی کا کھیل ذرہ ذرہ میں ہے۔ روحانیت بیشک شاید ہی ادنے درجہ کی ہے۔ مگر اس کی موجودگی سے انکار کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ معدنی مخلوق میں اندریوں کا حس جو تم میں ہے۔ بیشک نہیں ہے۔

عالم نباتات میں سوشپتی اور نیند دو حالتیں ہیں۔ درختوں میں جو نیند کی حالت ہے وہ خاص طرح کی ہے جیسی کہ خواب میں گھومنے پھرنے والے آدمیوں میں دیکھی جاتی ہے۔ آدمی نیند میں ہے مگر چلتا پھرتا نظر آتا ہے اور آنکھ کے بند ہوتے ہوئے بھی کام کرتا ہے۔ درخت بھی بجلسہ ایسا کرتے ہیں انہیں دونوں حالتوں میں بیجے ہوئے پودے وغیرہ اُگتے بڑھتے اور پھل پھول لاتے ہیں۔ معدنیات میں ظاہر احس کی طاقت نظر نہیں آتی۔ مگر درختوں میں موجود ہے اور بعض پودے تو ایسے ہوتے ہیں کہ وہ بسا اوقات انسان کی طرح اپنے حس کے ادراک کا نظارہ دکھاتے ہیں۔ ان میں سے لاجونتی کا

درخت ایک مثال ہے۔ جو انسان اور حیوان کے سایہ سے گھبرا کر اپنے پتے اور ٹہنیوں کو سمیٹ لیتی ہے اور سایہ کے دور ہوتے ہی پھر اپنی اصلی حالت پر آجاتی ہے اُس کو انسان وغیرہ کی ہوا سے نفرت ہے۔ کسی نے چھوا نہیں کہ وہ مرجہ کی صورت بنی نہیں۔ ایسے درخت جن میں حس کرنے کی تمیز نظر آتی ہے ایک دو نہیں بلکہ کئی ایک ہیں۔ قوت جاذبہ۔ قوت اخراج وغیرہ تو اُن میں عام ہیں۔ بعض اس طرح کے سنے گئے ہیں کہ اپنے مقناطیسی اثر سے چھوٹے چھوٹے جانوروں کو اپنی طرف کھینچ کر اُن کے خون و گوشت کو چوس کر اپنے تنہ میں ملا لیتے ہیں اور ٹھٹھری کو الگ پھینک دیتے ہیں وہ بھی دکھ سکھ کو محسوس کرتے ہیں۔ گو وہ محسوسیت ہماری سمجھ میں اعلیٰ درجہ کی نہ ہو۔ کنول کا پھول سورج کے غروب ہوتے ہی اپنی پنکھڑیاں سمیٹ لیتا ہے۔ کمدنی کی بھی چاند کے ڈوبنے پر یہی کیفیت ہوتی ہے ایک دھوپ میں دوسری چاندنی میں خوش ہے۔ بعض درخت ایسے ہیں کہ اگر تم ان پر تھوک دو تو وہ جل جائیں گے اس سے ظاہر ہے کہ درخت بے جان نہیں ہیں۔ وہ بھی کئی حالتوں میں بیمار ہوتے ہیں۔ اور دوا علاج کے خواہشمند رہتے ہیں :

اب جانوروں کی حالت لو۔ حیوانوں میں تینوں حالتیں ہیں۔ جاگرت۔ سوپن۔ اور سوشپتی۔ جب وہ جاگتے ہیں اُن کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ جب وہ سوتے ہیں اُن کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ اُن کا کاروبار جاگرت میں ہوتا ہے۔ تمام حیوانات میں تینوں حالتیں ہوتی ہیں

انسان تمام مخلوق میں بزرگ ہے۔ ان تینوں حالتوں کے علاوہ اس میں ایک خاص قسم کی روشن ضمیری کی حالت مجہولیت میں پڑی رہتی ہے جو ترقی دیئے جانے پر روحانیت کے طبقہ میں اس کو باریابی کا موقعہ بخشتی ہے۔ یوں بھی انسان میں علمی، عقلی اور احساسی قوائے تمام مخلوق سے زیادہ نشوونما یافتہ ہوتے ہیں ؛

زمینی اور آسمانی زندگیوں کی جتنی خصوصیتیں ہیں وہ سب انسان میں موجود ہیں۔ تمام عناصر اپنی لطیف و کثیف صورت میں اس میں موجود ہیں۔ اور زندگی کی نشوونما کے تمام مرحلے عجیب طریقہ میں اس میں کام کرتے ہیں۔ وہ حیوان بھی ہے۔ اور درخت سے بھی مشابہ کیا جا سکتا ہے بعض اس کو اُلٹا درخت بھی کہتے ہیں۔ جس کی جڑ اوپر کی طرف ہے اور پتے ٹہنی کا رخ نیچے کی طرف ہے۔ وغیرہ وغیرہ ؛

تمام مذہبوں کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ انسان خدا کی شکل میں بنایا گیا ہے۔ جو جو باتیں اور جو جو اوصاف اس میں ہیں سب عکسی اور جمالی صورت میں اس میں موجود ہیں۔ اور اس لئے جیسے تمام درمیانی مرحلوں کے عکس اس میں ہیں۔ اُسی طرح شکتی کا اصلی بھنڈار بھی اس میں ہے۔ پتہ لگانا اور پتہ لگا کر اس کو حاصل کر لینا انسان کا کام ہے ؛

---- ۰۰۰ ----

چودھواں پیغام

پنڈ۔ برہمانڈ کی مشابہت۔ تین بڑے طبقات

انسان کی عظمت سے متعلق بہت کچھ کہا گیا۔ لیکن ابھی تک یہ نہیں بتایا گیا کہ اس کو اپنے اندر کس جگہ سکھ کی تلاش کرنی چاہیئے۔

سنتوں کی تعلیم کے مطابق رچنا کے تین بڑے طبقات ہیں۔ اُن میں سب سے اونچا اور سب سے بڑا روحانی طبقہ ہے جس میں سوائے روح کا مقام ہے یہاں ترکیبی رچنا نہیں ہے روح اپنی اصلی حالت میں ہے گو اس کے اظہار کے لئے حالت کا لفظ بھی استعمال کرتے ہوئے دل گھبراتا ہے کیونکہ اس میں دراصل کوئی حالت نہیں ہے۔ حالت کا خیال بھی من اور مایا کے طبقہ میں ہوا کرتا ہے۔ اس کو دیال دیس یعنی مقام روحانی کہتے ہیں یہی معراج ہے۔ آدرش ہے۔ منزل مقصود ہے ؛

دوسرا بڑا طبقہ برہمانڈ ہے جو کال دیس کہلاتا ہے۔ اور وہ برہمانڈ کے من کا استھان ہے۔ یہ بہت لطیف ہے۔ یہاں گو سرت غالب ہے اور سارا کام اُسی کے ماتحت ہے مگر یہاں مایا بھی ہے اور وہ مایا لطیف ہے۔ ہلکا لطف ہے اور یہ لطیف مایا اور برہمانڈی من کی دھاریں ملکر مختلف شکلوں میں کام کر رہے ہیں۔ یہ مقام اس میں شک نہیں پرلے کی اوستھا میں معدوم ہو جاتا ہے۔ مگر چونکہ روح سے بہت قریب ہے۔ وہاں اس قدر جلد جلد تبدیلی و جنم مرن نہیں ہوتا

کرتے۔ اور نسبتاً برہمانڈ کے مخلوق زیادہ خوش رہتے ہیں۔ گو وہ خوشی بھی دکھ کی آمیزش سے خالی نہیں ہے؛

تیسرا بڑا طبقہ "مایا دیس" کہلاتا ہے۔ جہاں مایا نے کثیف صورت حاصل کی ہوئی ہے روح تو یہاں بھی لطیف ہے مگر وہ مایا اور من کے غلافوں سے ڈھک گئی ہے۔ اور مغلوبیت و بےبسی کی حالت میں پڑی ہے وہ یہاں اس قدر مایا اور من کی محتاج ہے کہ اُن کے بغیر اُس کا کوئی کام نہیں ہوتا۔ اور نہ وہ اُن پر غالب آتی ہے۔ اُن کی صحبت اور تعلق کی وجہ سے وہ طرح طرح کے مادی اور خیالی زنجیروں سے جکڑی ہوئی ہے اور بہت دکھ اور پریشانی اُٹھاتی رہتی ہے۔ اور چونکہ یہاں حالتیں جلد جلد تبدیل ہوا کرتی ہیں۔ اور جنم مرن کا ہر وقت کھٹکا لگا رہتا ہے۔ اس لئے اس کو دکھی ہونا لازمی ہے؛

دیال دیس میں مفرد رچنا ہے۔ کال دیس میں اور مایا دیس میں مرکب یعنی ترکیبی رچنا ہے؛

دیال دیس میں کال اور مایا نہیں ہے۔ وہاں خالص روح کی حکومت ہے۔ کال دیس میں کال زبردست ہے۔ اور مایا اُس کی ساتھی ہے مایا دیس میں مایا کا زور ہے۔ اور اُس نے روح یعنی سرت کو اس طرح دبوچ رکھا ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو اُن سے علیحدہ نہیں سمجھتی۔ ان تینوں مقامات کی باقاعدہ تقسیم اس طرح پر ہے:۔

(۱) طبقہ روحانی؛

(۲) طبقہ روحانی و مادی ؛

(۳) طبقہ مادی و روحانی ؛

اس قدر سمجھ لینے پر اُن کی اصلیت حالت اور اصلی مراد کی فہم آسکتی ہے اب ہم اپنے جسم میں ان تینوں مقامات کا نشان اور پتہ دیتے ہیں انسان کا جسم بھی اسی طرح تین حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) سُرت - شخصی روح ۔

(۲) مَن - جو چار انتہ کرن یعنی چار اندرونی حواس سے بنا ہے ؛

(۳) جسم تتوں (عنصروں) کرم و گیان اندریوں کی مجموعی صورت ؛

جسم انسان کی تین صورتیں ہیں ۔ کارن - سوکشم اور ستھول سکارن علت اولیٰ ہے ۔ سوکشم لطیف ہیولے ہے ۔ اور ستھول گوشت پوست وغیرہ کا کثیف ڈھانچہ ہے ؛

حالت بیداری میں روح کی بیٹھک ستھول شریر میں دونوں بھوؤں (ابروؤں) کے اندر ہے اور یہاں رہ کر وہ سکھ ہوتی ہے ۔ جو اُس کے اپنے توجہ کی دھار کو کسی جگہ جمانے اور ہٹانے کا نتیجہ ہے ۔ سوکشم شریر حالت خواب میں خیالی صورتوں اور خیالی ساماں کے ساتھ کھیلتا ہے ۔ اس حالت میں اس کی بیٹھک "کنٹھ" نامی ایک ناڑی میں رہتی ہے جو دل سے ملی ہوئی ہے ۔ جب سُرت یہاں کسی خوشگوار خیال یا خیالی صورت سے تعلق کرتی ہے ۔ خوش ہوتی ہے ۔ جب اُس سے ہٹائی جاتی ہے ۔ دُکھی ہوتی ہے ۔ کوئی ناخوشگوار واقعہ ظہور پذیر ہوتا ہے ۔

وہ سُرت کی دھار کو صدمہ پہنچاتا ہے۔ اور وہ پریشان ہو جاتی ہے۔ کارن شریر کی بیٹھک خود سُرت۔ آتما یا روح میں ہے اس لئے اس کو دکھ سُکھ نہیں ہوتا ؞

ستھول شریر میں دس اندریاں ہیں۔ پانچ گیان اندریاں اور پانچ کرم اندریاں۔ آنکھ۔ کان۔ ناک۔ زبان (قوت ذائقہ) اور چرم (لامسہ) گیان اندریاں ہیں۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ اندری۔ گدا (مقعد) اور زبان (قوت کلام) کرم اندریاں ہیں ؞

دلی طبقات میں جو لطیف ترینی ترکیب ہے۔ چار حواس لطیف شامل ہیں۔ جو انتہ کرن یعنی اندرونی اندریاں کہلاتی ہیں۔ یہ ہیں من بُدھی۔ چت۔ اہنکار۔ من سوچتا ہے۔ بُدھی یقین دلاتی ہے یا ساکشاتکار کراتی ہے۔ چت چنتن کرتا ہے۔ اور اہنکار ورلودھ کرتا ہے۔ یہ چاروں سوکشم شریر میں ہیں جو سوکشم تتو شبد۔ سپرش۔ روپ۔ رس۔ گندھ اور سوکشم اندریوں سے بنا ہے۔ یہ خیال رہے سوکشم شریر سوکشم تتوں سے اور ستھول شریر ستھول تتوں سے بنا ہے ستھول تتو یہ ہیں۔ آکاس۔ ہوا۔ آگ۔ پانی۔ مٹی ؞

اب رہ گیا کارن شریر۔ وہ اصل میں ان دونوں جسموں کی جڑ بنیاد ہے اور اس کا پتہ سرت کی دھار کے پیچھے کی طرف اُتار میں یا اُتار کے میلان میں لگتا ہے۔ اُس کا نظارہ صرف سوشپتی تک محدود ہے۔ یہ اونچے طبقہ کی رسائی کرنے کے درمیان ایک پردے کے نام

رکاوٹ ہے۔ اگر اس کو نظر انداز کیا جائے۔ تو پنڈ اور برہمانڈ کی مشابہت ٹھیک ٹھیک دکھائی جا سکتی ہے۔ یہ صرف "سُرت شبد یوگ" کے ابھیاس کی مدد سے چڑھائی جا سکتی ہے۔ اور سرت اُس پر غالب آکر تب آنند اور سکھ کے اصلی بھنڈار میں داخل ہوتی ہے۔

کارن۔ سوکشم اور ستھول شریر ایک دوسرے سے ایسے جداگانہ نہیں ہیں۔ جیسا کہ اکثر لوگ سمجھا کرتے ہیں۔ وہ سرت کی مادی اظہار کی زنجیر ہے۔ جس میں تین مختلف کڑیاں ہیں۔ ستھول شریر دراصل سوکشم شریر سے پیدا ہوتا ہے۔ اور مرنے کے وقت ویسے ہی اُتار کر پھینک دیا جاتا ہے۔ جیسے نہاتے وقت ہم جسم کے میل کی بالائی تہ کو دُور کرتے رہتے ہیں۔ یا پھٹے پرانے کپڑے اُتار دیتے ہیں یا جیسے سانپ کچھ برسوں کے بعد اپنی کینچلی اُتارتا ہے۔ کارن سوکشم شریر جب برابر قائم رہتے ہیں۔ اور نئے جنم کے وقت جو دھاریں کارن اور سوکشم شریر سے نکلتی ہیں۔ نیچی گری ہو کر ستھول شریر پیدا کرتی ہیں۔ اور وہ ستھول شریر اُس طرح کا ہوتا ہے۔ جو ہمارے زمینی نظام کے ضروریات کے موافق ہو۔ سوکشم اور کارن اُس وقت تک بنے رہتے ہیں۔ جب تک کہ سُرت اُلٹ کر اپنے بھنڈار کو واپس نہیں جاتی۔

برہمانڈ اور پنڈ کی مشابہت دکھا دینگے۔ اگر کوئی شخص کسی طرح پنڈ اور برہمانڈ دونوں کے لطیف کثیف خول اُتارتا ہوا اوپر کی طرف چڑھے اور سرت کے بھنڈار میں داخلہ حاصل کر لے۔ تو پھر وہ مکتی ہو گا

اور جنم مرن دور ہو جائے گا۔

حقیقت کا ساکشاتکار استھول اندریوں کی مدد سے ذرا کٹھن بات ہے۔ تم کو ان سے اپنے آپ کو جدا کرنا ہوگا۔ ان ہی کا گھر اسبندھ تو اگیان کا کارن ہے۔ ان سے اسی طرح نکلنا ہے۔ جیسے سرکنڈے کو چیر کر اُس کے بیچ سے تیلی نکال لیجاتی ہے جب اس طرح کی علیحدگی ہو جاتی ہے۔ تب زنجیر کی کڑیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔ اگر ان کا توڑنا مقصود ہے۔ تو آج ہی سے ہر شے کو اصل روپ میں دیکھنا شروع کرو۔ من کو مادی اور جسمی طبقہ سے اونچا لاؤ۔ انسانی یا جسمانی عقل کو روحانی عقل سے تبدیل کرنے کی کوشش کرو۔ اور اس سے تم کو بے حد فائدہ ہوگا۔

پندرھواں پیغام

ہر سہ طبقات عظیم کے چھ بڑے بڑے حصے سب سے پہلے پنڈ کی تشریح

اوپر جن تین بڑے بڑے حصوں کا ذکر آیا ہے۔ اُن میں سے ہر ایک کے چھ چھ حصے ہیں اور نظام قدرت میں ان چھٹوں میں سے ہر ایک خاص خاص قسم کے فرائض انجام دیتا ہے جس طرح سنتوں نے اُن کی صراحت کی ہے۔ اُس کا سمجھنا اتنا آسان نہیں ہے۔ ہاں اگر پنڈ دیس یعنی جسمانی طبقہ کے چھ بالترتیب حصوں کو ذہن نشین کر لیا جائے تو اتنا ہو سکے گا۔ کہ اس کے بالمقابل برہمانڈ کے حصوں کو بھی سمجھا جا سکے گا۔ اور روحانی طبقات کا بھی انومان کیا جا سکے گا۔

سب سے پہلے ہم مایا دیس کو لیتے ہیں۔ جس سے ہماری مراد اپنے جسم سے ہے۔ یہ بات ایک مرتبہ سے زیادہ دفعہ کہی جا چکی ہے۔ کہ پنڈ برہمانڈ کی نقل ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ جو اس میں ہو گا وہی اس میں بھی ہو گا۔ انسانی جسم چھ حصوں میں تقسیم ہے۔ ان حصوں کو یوگ کے اصطلاح میں چکر یا کنول بولتے ہیں یہ اصل میں کمل یا چکر نہیں ہیں بلکہ رگ و ریشوں کے گوٹے یا حلقے ہیں جو ایک جگہ سے گرا ہی بھر نیچے کی طرف پھیلتے ہیں۔

ان میں سے پہلا چکر دونوں بھوں (آبروؤں) کے درمیان اور ناک سے ذرا اوپر ہے۔ یہ شخصی سرت کی بیٹھک ہے۔ جس سے نیچے کے پانچ حلقوں کو طاقت زندگی اور سہارا ملتا ہے۔ اس کو تیسرا تل۔ شیو نیتر۔ شیو کی تیسری آنکھ۔ گیان نیتر۔ آتم نیتر وغیرہ بھی کہتے ہیں۔ صوفیوں کے یہاں اسی کو نقطہ سویدا کہتے ہیں۔ یہ جسم کا صدر مقام ہے۔

دوسرا حلقہ یا کنول کینٹھ چکر ہے۔ جو جسم میں آکاس تتو کے پرتھانی منڈل کا عکس ہے۔ اور حرکات تنفس یعنی سانس لینے کے قانون کا باقاعدہ چلانے والا ہے۔ یہ گلے میں ہے۔

تیسرا ہردے چکر ہے۔ جو جسمی دل کی جگہ ہے۔ یہ برہمانڈ کے وایو منڈل کی نقل ہے۔ یہ وایو کا استھان ہے۔ اور اس سے نیچے کے تین مقامات کو تقویت ملتی ہے۔ یہاں ہوا کے پنکھے ہیں۔ جن سے وہ برابر نکلتی رہتی ہے۔

چوتھا چکر ناطھی کنول ہے۔ جو اس جسم میں برہمانڈ کے اگنی منڈل کا عکس یا نقل ہے یہاں جو اگنی رہتی ہے وہ جٹھر اگنی یا پیٹ کی اگنی کہلاتی ہے۔ اسی کو غالباً حرارت غریزی بھی کہتے ہیں جو اس ستھان پر مقیم ہو کر سارے جسم کو گرمی دیتی رہتی ہے۔ یہی غذا کو تحلیل کر کے ایڑی سے چوٹی تک پہنچایا کرتی ہے ؛

پانچواں اندری چکر یعنی آلۂ تناسل کا حلقہ ہے۔ جو برہمانڈ کے جل منڈل کا اس جسم میں عکس ہے۔ پانی ہی حقیقت میں زندگی کا اس جہان میں علامت ہے۔ اسی سے مختلف صورتیں و شکلیں پیدا ہو کر عالم شہود میں آتی ہیں۔ یہ وحدت کو کثرت میں تقسیم کرنے کا آلہ ہے۔ اس کو لنگ چکر بھی کہتے ہیں ؛

چھٹا اور آخری چکر گدا کنول یعنی (مقعد) کا حلقہ ہے۔ جو برہمانڈ کے پرتھوی منڈل کا اس ستھول شریر میں قائم مقام ہے۔ یہ بے مصرف اور فضول شئے کے تلچھٹ کو جو جسم میں جذب ہونے کے قابل نہیں ہے۔ خارج کرتا رہتا ہے ؛

یہ چھ چکر جیسے ہمارے جسم میں ہیں ویسے ہی سفلی طبقہ میں ہیں وہاں وہ مہا ستھول میں سپتا سفلی طبقہ میں بھی ہے۔ مگر اس میں روحانیت اس قدر کمی کے ساتھ ہے کہ جس کو قریب قریب یعنی مادہ کی نہایت ہی کثیف صورت کہی جا سکتی ہے۔ اور اس لئے اس کا بیان ترک کر دیا جاتا ہے ؛

ان چھ چکروں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔ تاکہ ان کی مدد سے نظام قدرت کے توارد اور تسلسل کا راز ذہن نشین ہو سکے۔ کیونکہ ان کے سلسلہ میں شمول تتوں کے پیدا ہونے کا راز معلوم ہو جائے گا۔ اور یہ باآسانی ذہن نشین ہو سکیگا کہ ان کی ہمارے اصلی سروپ سرت سے کیا نسبت ہے۔ اور آیا ہم یہ ہیں۔ یا خالص سرت ہیں؟

ہر مقام میں چار باتیں ہیں۔ منڈل[1]۔ روپ[2]۔ دھنی[3]۔ نام[4]۔ منڈل بھنڈار یا تتوں کے ذخیرہ کرنے رہنے کی جگہ ہے۔ جس صورت میں وہ ایک مقام پر قائم ہو گئی ہیں۔ وُہی اُن کا روپ ہے۔ اور جو اصلی طاقت اُن میں رہ کر ان کو باقاعدہ چلاتی ہے۔ جو اس کا جسم ہے۔ اور جسکو وہ نہیں جانتی وُہی اُس کا دھنی۔ مالک۔ موکل۔ اور ادھشٹاتا ہے۔ اور اس دھنی کا نام ہوتا ہے اور اُسی نام کی مدد سے اُس کی سمجھ آتی ہے۔ یہ دھنی اپنے منڈل میں محیط کل ہوتا ہے۔ اس میں باقاعدگی کی روح رہتی ہے۔ جو سرت کی انش ہے۔ اسکا بھی خیال رو حانیت کے نقطۂ نگاہ سے کیا جانا چاہیئے کیونکہ چاہے۔ اپنے منصبی فرائض کی وجہ سے وہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ وہ بھی اصل میں سرت کی دھار کی ایک صورت۔ نقل اور عکس ہے۔ اور اسی لئے کہا گیا ہے:-

جو آنکھ میں ہے۔ آنکھ جس کو نہیں جانتی۔ آنکھ جس کا جسم ہے۔ جو آنکھ میں رہ کر آنکھ کو قاعدہ میں چلاتا ہے۔ وہی تیرا لافانی آتما اور امرت ہے۔ جو وایو میں ہے۔ جس کو وایو نہیں جانتا۔ وایو جس کا جسم ہے اور جو

والو میں رہ کر والو کو قاعدہ میں چلاتا ہے۔ وہ تیرا الافانی آتما اور امرت ہے جو اگنی میں رہتا ہے۔ اگنی جس کو نہیں جانتی۔ جو اگنی کا جسم ہے۔ اور جو اگنی میں رہ کر اگنی کو قاعدہ میں چلاتا ہے۔ یہی تیرا الافانی آتما اور امرت ہے۔ جو جل میں رہتا ہے جل جس کو نہیں جانتا جل جس کا جسم ہے۔ جو جل میں رہ کر جل کو قاعدہ چلاتا ہے۔ وہ تیرا الافانی آتما اور امرت ہے جو پرتھوی میں رہتا ہے۔ پرتھوی جس کو نہیں جانتی۔ پرتھوی جس کا جسم ہے جو پرتھوی میں رہ کر پرتھوی کو قاعدہ میں چلاتا ہے وہ تیرا الافانی آتما اور امرت ہے۔ جو آکاس میں رہتا ہے۔ جس کو آکاس نہیں جانتا۔ آکاس جس کا جسم ہے۔ جو آکاس میں رہ کر آکاس کو قاعدہ میں چلاتا ہے وہ تیرا الافانی آتما اور امرت ہے۔ وغیرہ وغیرہ (برہد آرنیک اپنشد)

اس سے ظاہر ہے کہ کوئی تتو سرت کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ سرت ہی پرم تتو ہے۔ اور سب اس کے اوپاسک ہیں۔

ذیل میں ہم نقشے کی صورت میں ان حالات کو قائم کر دیتے ہیں۔ تاکہ سمجھنے بوجھنے میں آسانی ہو اور قوت یادداشت ان کو اپنے ذہن میں رکھ سکے۔

نمبر	نام	رہنے کا مقام	عنصر یا تتو	دھنی	تصوف کے عالم	کیفیت
۱	تیسرا تل	دونوں ابرؤں کے درمیان	سرت شبدی	آتما	عالم ملکوت	نقطہ سویدا و شیو نیتر گیان نیتر و آتم نیتر وغیرہ بھی اس کا نام ہے
(۲)	کنٹھ چکر	گلا	اکاس	شکتی درگا دیوی مایا یا شکتی		سولہ دل کا کنول
(۳)	ہردے چکر	دل	وایو	شیو مہادیو رودر		بارہ دل کا کنول
(۴)	نابھی چکر	ناف	اگنی	وشنو	عالم ملکوت	آٹھ دل کا کنول
(۵)	اندری چکر	آلہ تناسل	جل	برہما		چھ دل کا کنول
(۶)	گدا	مقعد	پرتھوی	گنیش		چار دل کا کنول

لوگوں کو یہ وہم ہوگا کہ یہ کھٹ چکر خیالی ہیں۔ مگر یہ یاد رہے۔ یہ خیالی
نہیں ہیں بلکہ ان کی اصلیت ہے۔ بعض آدمی یہ بھی سمجھیں گے کہ یہ ایک دوسرے
سے بالکل بے تعلق اور علیحدہ علیحدہ ہیں۔ یہ بات بھی نہیں ہے وہ ملے جلے
ہیں۔ ایک زنجیر کی مختلف کڑیاں ہیں۔ اور نیچے کی کڑی اوپر کی کڑی سے
ویسے ہی وابستہ ہے۔ جیسے آنکڑے سے کسی نے ایک کو دوسرے کے ساتھ
باندھ رکھا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی دو دو صورتیں ہیں ایک مثبت
اور دوسری منفی۔ یہ کیوں ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک پرش اور
پرکرتی کے روپ اور عکس ہیں۔ آکاس کے جب مثبت اور منفی دھاریں
سرت کی مدد سے سمٹنے لگیں۔ ان کا اصلی جوہر تو آکاس منڈل رہ گیا۔
اور عکسی دھار نیچے کو اتر کر وایو کی شکل میں قائم ہو کر ہردے چکر
میں ٹھہری۔ اب وایو تتو کی دونوں دھاریں سمٹ کر خالص روپ میں
تو وہ ہردے چکر میں رہیں۔ اور عکسی دھار نیچے اتر کر اگنی کے روپ میں
نابھی چکر میں آئی۔ اگنی کی جب وہ دھاریں سمٹی گئیں۔ خالص
جوہر تو نابھی چکر میں رہ گیا۔ عکسی دھار جل کے روپ میں پرگٹ
ہو کر اندری کے مقام پر ٹھہری۔ جس سے اسی طرح پرتھوی پیدا
ہو گئی۔ پرتھوی کا اصلی تتو تو سرشٹی کے روپ بنانے میں کام آیا۔ جو
فضلہ یا تلچھٹ تھی۔ وہ گدا چکر میں آکر خارج ہو گئی۔ کیونکہ وہ سرشٹی
کے کام کی نہیں تھی۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ اسی طرح سفلی رچنا میں بھی
کام ہوتا ہے۔ مگر وہ نظر انداز کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ اگر ہم ان کا سلسلہ

دکھانے کی کوشش کی گئی۔ تو ان او ستھا ورتی یعنی سلسلہ غیر منقطع ہو جائیگا۔ مطلب صرف مطلب سے ہے۔ نگاہ کو ایک جگہ قائم کر کے اصلیت کا پتہ لگانا ہے۔ اسی طرح اوپر کے مدارج کی نسبت بھی سوچنا چاہئے۔ الغرض یہ تتو اسی طرح ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔

اب ایک بات اور بھی بتا دینی چاہئے۔ آکاس اپنے منڈل میں تو خالص اور لطیف صورت میں ہے نیچے کے مقامات میں وایو۔ اگنی۔ جل۔ پرتھوی اسی کی عکسی اور کثیف صورتیں ہیں۔ اس لئے اصلیت پسند نگاہ میں یہ سب بھی آکاس ہی ہیں۔ اور آکاس تتو سب میں محیط کل ہے۔ سوال کرنے والے شاید یہ دریافت کریں کہ سرت سے آکاس کیسے پیدا ہوا۔ سرت سے بھی اسی طرح دو دھاریں مثبت و منفی صورتوں میں نکلی تھیں۔ ایک کو ان میں سے رئی اور دوسری کو پران بولتے ہیں اور رئی اور پران کے ملن سے آکاس پیدا ہوتا ہے۔ خالص سُرت تو تیسرے تل تک ہے۔ آکاس اس کے تلے میں ہے۔ جو لوگ آکاس کو خلا یا وسعت سمجھ بیٹھے ہیں۔ ان کو اس کے تتو ہونے کی بھی سمجھ نہیں آتی۔ وہ اس مضمون کو کیسے گرہن کر سکیں گے۔ اس لئے جب تک دل سے یہ خیال دور نہ ہو۔ تب تک ان کو سمجھانا بھی لاحاصل ہے۔ الغرض اگر حقیقت پسند نگاہ سے مشاہدہ کیا جائے۔ تو کثیف اور لطیف حالتوں سے گذرتے ہوئے نظر اصلیت پر ٹھہرے گی اور اگر لفظوں کے گورکھ دھندے میں پھنسے تو اور چاہے کچھ ہو۔ مگر اصلیت کا سمجھنا کٹھن ہوگا۔

ان تتوں کے انیک روپ ہیں - کوئی کہاں تک دکھائے - صرف جل تتو کو دیکھو برف - پانی - بھاپ - اسی سے ہیں - اعبھاسی کی ہیں - مگر تم بھاپ کو جل کہہ سکو گے - نہ برف کو کیونکہ ان کی صورتیں جداگانہ ہیں - سارے استھول تتو کی یہی کیفیت ہے - صرف حقیقت پسند نگاہ ان کی تہہ میں گھس کر سد کو گرہن کرتی ہے - باقی بھٹکے بھٹکے پھرتے ہیں جیسے آکاس سب تتووں میں چھپا کل ہے - ویسے ہی سرت ہر جگہ و ہر شے میں محیط کل ہے - یہ گھٹ چکر ہی کی واضح تفسیر ہے - اس سے زیادہ نہ ہم کہہ سکتے ہیں نہ کہنا چاہتے ہیں ؎

سولھواں پیغام

٭ برہمانڈ کے چند حصے ٭

۶ قاعدہ کلیہ ہے کہ جو کچھ خیالات انسان کے دل میں متحرک ہوتے ہیں - ان سب کا عکس اس کے چہرہ اور صورت شکل میں آجاتا ہے - اور اس کی پیشانی کی شکنیں اور جھریاں نمایاں صورت میں ان کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتیں - جو شخص جس قسم کے خیالات سوچیگا - اُسکی شکل ویسے ہی بنے گی - اور جب لگاتار ایک طرح کا خیال دل پر مسلط ہو جائیگا تو وہ چہرہ کو اپنا آئینہ بنا کر اس کے خط و خال میں اپنا ظہور کرے گا - قیافہ شناس ان کی رو سے اس کے دل کا حال بتا سکیں گے - انسان کی صورت ایک طرح کی کھلی ہوئی کتاب ہے جس میں صاف صاف حرفوں میں اس کے محسوسات کی اصلیت کا بیان رہتا ہے - اگر تم سے ہو سکے تو کسی سے اسکا حال نہ پوچھو

اس کا چہرہ اور اُس کی صورت کا مطالعہ کرو۔ خود بخود با آسانی اصل راز کا پتہ پا جاؤ گے کیونکہ جملہ جذبات اپنا اثر، اپنا عکس اور اپنا نشان انسان کی صورت پر چھوڑتے رہتے ہیں۔ جذبہ جتنا گہرا ہو گا۔ اتنی ہی اُس کی عکسی صورت گہری ہو گی۔ اور اتنا ہی اُس سے اُس کے دل کی اصلی حالت کا پتہ مل سکیگا۔ جو اس اصول سے باخبر ہیں وہ صرف انسان کی نگاہ اور اس کی پیشانی دیکھ کر پتہ پا لیتے ہیں۔ کہ یہ کس قسم کا اور کس خیال کا مخلوق ہے جو اس کو نہیں جانتے۔ اُن سے بحث مباحثہ کرنا جھک مارنا ہے وہ نہ سمجھیں گے نہ بات ان کی سمجھ میں آئیگی ؞

جذبات کی اصلی عکسی صورت چہرہ پر مستقل طور پر قائم ہو جاتی ہے صرف اتنا ہی نہیں ہے بلکہ وہ آئین تناسل کے قانون کے زیر اثر باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے تک اپنے سلسلہ میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ ایک خاص قوم کے آدمی کیوں دوسرے قوم کے آدمیوں سے مختلف ہیں کیونکہ اُنکا مورث اعلیٰ خاص خیال کا آدمی تھا۔ ایک قسم کا جانور کیوں اسی قسم کے بچے پیدا کرتا ہے کیونکہ یہاں بھی وہی خیال کا قانون اپنا عمل دخل رکھتا ہے۔ قانون وراثت اپنے پردہ میں چھپی چوری۔ بیماری۔ تندرستی۔ خاص قسم کے عادات تعلقات اور اوصاف کا پرچار کرتا ہے۔ تم کیا ہو تمہارا جسم کیوں خاص طرح کا ہے۔ کیونکہ تمہارے جذبات نے تم کو ایسی شکل و صورت عطا کر رکھی ہے۔ خیالات کی رو اپنے اظہار کا سامان ساتھ لاتی ہے ؞

پرماتما کیا ہے؟ پریم کا اظہار ہے۔ پریم کیا ہے؟ پرماتما کا عکس ہے۔

اور کچھ نہیں ہے۔ وہ برہمانڈی من کہلاتا بھی ہے۔ جیسا یہ برہمانڈی کا من ہے ویسا ہی مجھی مگر کثیف صورت میں تمہارا پنڈی من بھی ہے اس کی اُسکے ساتھ نسبت۔ مشابہت اور مطابقت ہے۔ جو نسبت پنڈی یعنی جسمانی من کو تمہارے جسم کے ساتھ ہے۔ وہی نسبت برہم۔ یا برہمانڈی من کو برہمانڈ کے ساتھ ہے جس طرح تمہارے اپنے خیالات تمہارے چہرہ پر نمایاں ہوتے ہیں ویسے ہی برہمانڈی من یا برہم کے خیالات برہمانڈ میں عکس پذیر ہوتے ہیں جتنے مدارج تمہارے جسم میں ہیں۔ وہی اس برہمانڈ میں بھی ہیں۔ کثیف اور لطیف حالت کا فرق تو ضرور ہے۔ اور ضرور رہے گا۔ مگر اصلیت میں فرق نہیں آتا کیونکہ پنڈ برہمانڈ کی نقل تسلیم کر لیا گیا ہے؛

جن چھ چکروں کا ذکر انسان کے جسم میں آیا ہے وہ اصل میں اُن چھ چکروں کے چھ عکسی نقشے ہیں۔ جو برہمانڈ میں موجود ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے۔ برہمانڈ بڑا ہے یہ چھوٹا ہے۔ جو اس میں ہے وہی اُس میں بھی ہے؛

یہ برہمانڈ بھی اسی طرح چھ حصوں میں تقسیم ہے۔ جس طرح ہمارا جسم منقسم ہے۔ جس طرح ہمارے جسم کے پانچ نیچے کے حصے اوپر کے آخری چکر سے یعنی شش سرت سے روحانیت۔ طاقت اور حرکت کا استفادہ کرتے ہیں بالکل اُسی طرح برہمانڈ کی چوٹی پر جو دھنی رہتا ہے۔ سب کو طاقت اور روحانیت بخشتا ہے۔ جس طرح ہمارے جسم میں گدا چکر غیر ضروری تتو کا اخراج کیا کرتا ہے۔ اسی طرح برہمانڈ کے نیچے کے حصہ میں وہی کام ہوتا

رہتا ہے اس سے یہ بات سمجھ میں آئیگی کہ سُرت کی کیفیت جو جسم میں دونوں آنکھوں کے پیچھے ہے وہی برہمانڈ روپی جسم کے بالائی طبقہ میں ہے۔ اور وہی کام وہاں بھی ہوتا ہے۔

جو لوگ سُرت شبد مارگ کے ابھیاسی نہیں ہیں۔ جنہوں نے سنتوں کا ست سنگ نہیں کیا۔ یا جو لوگ اہل طریقت کے راز باطن اور اُن کے عالمگیر فلسفہ سے بے خبر ہیں۔ اُن کو سمجھانا بہت ہی مشکل ہے کیونکہ اُن کے کان سنتوں کی اصطلاحات سے نا آشنا ہیں۔ مگر جو ابھیاس کر رہے ہیں ان کو بآسانی ذہن نشین کرایا جا سکتا ہے۔ اور وہ سمجھ کر نہ صرف اپنی حالت میں اضافہ کی صورت دیکھیں گے۔ بلکہ باقاعدہ طریقہ کی واقفیت سے اُن کی اس طریق میں شردھا بڑھے گی۔ اور وہ ابھیاس کرتے ہوئے سُرت کی چڑھائی کے سلسلہ میں اس کا انبھو اور ساکشات کار کرتے چلیں گے۔

جسم کے چھ سے چکر۔ نابھی چکر اور اناہت چکر کی اصلی صورت پیشانی کے مقام "ترکٹی" میں ہے۔ اس میں تین خاص قسم کی دھاریں ہیں۔ اور انہیں کی وجہ سے وہ ترکٹی کہلاتی ہے۔ صوفیوں کی اصطلاح میں "مثلثی" ہے اور زمانہ قدیم کے تصوف پسند بھی اسی کو "صلیب" کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ برہمانڈ کا دھنی "مہاسن" نامی مقام میں رہتا ہے۔ اور یہی برہمانڈی من نیچے کے طبقات کو اصلی روحانیت۔ طاقت اور حرکت بخشتا ہے۔ اور محدود روحانیت اوپر کے مقامات کے قابل نہیں ہے۔ اس کو چار کنڈا چکر کی طرف گرایا کرتا ہے۔ دوسرا مقام اس کے نیچے "سن" ہے۔

جو ہمارے کنٹھ چکر سے مشابہ ہے۔ مزید وضاحت کے خیال سے اُن کا مقابلہ ہم اس طرح پر کرتے ہیں:-

برہمانڈ کے طبقات ... جسم کے طبقات

(۱) مہاسُن ... (۱) تیسرا تل

(۲) سُن ... (۲) کنٹھ چکر

(۳،۴،۵) ترکٹی ... (۳) ہردے چکر (۴)، ناتھی چکر (۵)، اندری چکر

(۶) سہس دل کنول ... (۶) گدا چکر

مشکل ہے۔ نا آشنا ان کیسے اُن کی مفہوم کو ذہن نشین کر سکیں گے جن کو پُرش اور پرکرتی کہا جاتا ہے۔ ان کا اظہار شبد کے استھان سے ہوتا ہے جیسے اُن کے عکسی روپ کا بیان کنٹھ چکر میں ہوتا ہے۔ ترکٹی میں اصلی برہما۔ وشنو۔ و مہیش ہیں جو ہردے۔ ناتھی۔ اور اندری میں مختلف روپ سے ہم میں اور ہمارے جسم کے اندر کام کرتے ہیں۔ یہ تینوں صورتیں برہم کی ہیں:-

ذیل میں ہم پھر واضح نقشہ میں اس کی تشریح کئے دیتے ہیں:-

نمبر	نام	رہنے کا مقام	لطیف تتو یا عنصر	دھنی	تصوف کی اصطلاح	کیفیت
(۱)	مہاسُن	پیشانی کا اوپری حصہ	شرت پرمانند جی پرکرتی جس سے پرماتما کی شبد پیدا ہوا	پربرہم	،،	-
(۲)	سُن	آنکھ کے تلے	شبد گیت	اکشر	باہوت	-

کیفیت	[illegible]	دھنی	لطیف تتو یا عنصر	رہنے کا مقام	نام	نمبر
•		بیدھ ہمہ (اوم) پرناد شنو۔ ہیش کی مجبوری صورت	سپرش روپ رس	اس کے تلے	اترکٹی	۳-۴-۵
•	الہوت					
•	جیوت	جوت نرنجن	گندھ	اس کے تلے	سہس دل کنول	(۶)

اُن کے مقامات کی بھی دھاریں ویسے ہی ایک دوسرے کے ساتھ متسلسل ہیں جیسا کہ پنڈ کی صراحت میں بیان کیا گیا ہے۔ اور ان کی بھی مثبت اور منفی صورتیں ہیں جو بہت ہی لطیف ہیں ٭

اہنکار۔ من۔ بدھی و چت کا استھان جیسا کہ ہمارا پیر وسے چکرہے۔ ویسے ہی برہمانڈ میں برہم ہے جو برہمانڈی من کہلاتا ہے۔ اس کی زندہ کرنے والی دھارا اوپر سے آتی ہے۔ اور اس میں اس قدر لطیف طاقتوں کی دھاریں موجود ہیں جن کا پتہ کہیں کہیں صرف سنتوں کی بانی سے ملتا ہے

سترھواں پیغام

روحانی طبقہ کے چھ حصے

اس طبقہ کا بیان برہمانڈ کے بیان سے بھی مشکل ہے حقیقت یہ ہے کہ اس شے کو کوئی کیسے بیان کرے جو حرف انجو سے متعلق ہو۔ تاہم جو کچھ بانی سے پتہ لگتا ہے۔ اس کا اظہار کیا جاتا ہے ٭

جون جولائی اگست

یہ عقل و تمیز کا زمانہ کہلاتا ہے۔ جو کچھ انسان کے معلومات من اور مادہ
سے متعلق حاصل ہیں۔ گو وہ بہت کچھ کئے جائیں۔ مگر پھر بھی وہ قابل اطمینان
نہیں ہیں۔ انسان کی نگاہ مادہ پہ پڑتی ہے۔ اور اس پر وہ وچار کرتا ہے
مادہ یا خارجی دنیا وچار کی چیز ہوئی اور من اس کا وچار کرنے والا ٹھہرا۔
معمولی آدمی صرف من اور مادہ ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے۔ بعضوں کی نگاہ
میں تو من سے اونچی کوئی چیز نہیں۔ کوئی کوئی تو من ہی کو روح سمجھتے
ہیں اور اُس سے آگے نہ بڑھنا چاہتے ہیں۔ نہ بڑھنے کا خیال رکھتے ہیں
کیونکہ جب من ہی انتہائے نظر ٹھہرا۔ تو آگے کوئی کیا کہے گا۔ اور کیا
سنے گا۔ اور کیا غور کرے گا۔ فی زمانہ علم الروح کے عالموں کا فتویٰ ہی
یہ ہے کہ من ہی روح ہے اس کے سوا وہ علم کے روح کو فرضی اور وہم محض
سمجھتے ہیں۔ سنتوں کا خیال ہمیشہ سے اس کے برعکس رہا ہے چونکہ اُنکی
عقلی و روحی نشوونما خاص طرح پر مکمل ہوتی ہے۔ وہ بآواز بلند کہتے
آئے ہیں کہ روح من نہیں ہے۔ من صرف درمیانی مرحلہ ہے۔ اور
روح کا مقام اس سے بہت اونچا ہے اور وہی علم ہستی اور سرور
ہے اور اسی تک رسائی ملنے سے علم، سرور اور ہستی ملتی ہے۔ دہریہ۔
ملحد اور منکر گروہ چاہے۔ جس قدر انکار کیا کریں۔ مگر روح کی ہستی
صحیح واقعہ ہے ان کے انکار کرنے سے وہ کسی طرح معدوم و موہوم ثابت
ہوگی۔ کبھی نہ کبھی ان کو اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کہ من کے پس پشت کوئی
ایسی شئے ضرور ہے۔ جس کا علم نہیں ہوتا۔

ہم اوپر کسی جگہ کہہ آئے ہیں۔ کہ قدرت کی طاقتوں میں سے ہر ایک کے تین مختلف استھان ہوتے ہیں۔ پہلی شے وہ طاقت خود ہے۔ دوسری شے وہ ذریعہ یا آلہ ہے جس سے اس طاقت کا عمل ہوتا ہے۔ تیسری شے وہ ہے۔ جس پر وہ کام ہوتا ہے۔ اب پھر تم بطور خود غور کرو۔ کوئی ایسی شے نظر نہیں آتی جو ان تینوں حالتوں سے خالی ہو۔ چوتھا پد تو ابھی وہ ہے جس کا پتہ صفت دے سکتے ہیں۔ اگر ان ہی تینوں پر اچھی طرح غور کیا جائے تب بھی روح کی ہستی خود بخود اپنا ثبوت آپ ثابت ہوگی۔

اگر یہ بات قدرتی طاقتوں کی بابت صحیح ہے۔ تو روح کی نسبت کیوں صحیح نہ ہوگی۔ اگر تم خواہ مخواہ روح کی ہستی کے منکر ہو۔ تو پھر تم کو من اور مایا کی ہستی کا بھی انکار کرنا چاہئے۔ کیونکہ ان میں روح سے اور ان پر روح یا سرت کا کام ہوتا ہے۔

تم اس طرح اس کو سمجھو۔ ایک طبقہ روح کا ہے جو اس کا اصلی مقام ہے دوسرا طبقہ من کا ہے جو روح کا اوزار ہے۔ تیسرا مادہ کا جس پر روح من کی مدد سے کام کرتی ہے۔ نگاہ کی طاقت کا ایک ذخیرہ ہے۔ کسی اوزار کی معرفت اس ذخیرہ میں سے دھار نکلتی ہے۔ اور یہ دھاریں ایک جگہ آ کر کام کرتی ہیں۔ یہ بات تم کو سمجھ آتی ہے یا کہ نہیں۔

مادی طبقہ جس طرح برہمانڈی طبقہ کا عکس ہے۔ مادی طبقہ کا کام جس طرح برہمانڈی طبقہ کے کام کا عکس ہے۔ اسی طرح یہ برہمانڈ بھی کسی اور بہتر دست شکتی کی حالت ہے۔ اور جو شے اصل ہے اور باقی یہ نقل ہیں۔

جس وقت شریر کے بندھارن میں گڑبڑ ہوتا ہے۔ اُس کا اثر من پر پڑتا ہے
اور پھر من کا اثر مادہ کے خارجی عالم پر پڑتا ہے۔ یا یہ ایک ہے مقامات کی
تبدیلی اور سامان کی موجودگی سے اس کے کام میں فرق لازمی ہے۔ اور
فرق نظر بھی آنا چاہئے ۔

شریر کا اثر پرماتما یا پرماتما کی روح پر پڑتا ہے اور پرماتما کی روح
کا اثر پرماتما میں پڑتا ہے۔ خواہ مقبول ہو یا نہ ہو پڑتا ہے ۔

ایک روحانی طاقت ہے۔ ایک پرم پرماتما کا طریقہ ہے [illegible]
یا پانچویں کا طریقہ ہے۔ روحانی طاقت بہت سی ہیں جن میں [illegible]
لطف وقت کا [illegible] حالت میں کام لیا جاتا ہے۔ پرماتما کی طاقت میں بھی [illegible]
حالتیں ہیں اور ان میں بھی فرق ہے۔ وقتی کا اور اصلی کا [illegible] کے کام کا
مقام ہے جہاں الہام میں شخصی مرت کا [illegible] ہوتا ہے اور [illegible] کی روح
کے کام کا مقام یہ ہے [illegible] یہ ایک [illegible] ہے [illegible]
یہ دلچسپ [illegible] اور [illegible] معلوم ہوتی ہے ۔

انسانی جسم اور انسانی جسم کا [illegible] پرماتما اور [illegible] کے کاریگر
سامنے یہ حقیقت ہے۔ اسی طرح روحانی طاقت اور روحانی کاریگر بھی
پرم اور پرماتما کا کاروبار بھی حقیقت ہے۔ کیونکہ اصل میں یہ اس
بے پایاں کنار سمندر کی ایک بوند ہے۔ ایک بوند سے زیادہ اس کی
حیثیت نہیں ہے۔ وہ سمندر کی [illegible] کا آدمی [illegible] اور آدمی مقام ہے
[illegible] ایک [illegible] کہ [illegible] اور [illegible]

[illegible]

کا بھی بندھا ہے ٭

جس طرح ہم نے پنڈ اور برہمانڈ کی وضاحت نقشوں کی مدد سے کی ہے ویسے ہی ذیل میں سنتوں کے بچن کے بموجب روحانی طبقوں کی بھی صراحت کرتے ہیں نقشوں پر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف نقش مراد پر نگاہ ہے تب کچھ اس کی سمجھ آئے گی ٭

نمبر	نام	استھان	تتو	دھنی	تصوف کے مدارج	کیفیت
۱۱	رادھا سوامی	دماغ	روح	رادھا سوامی دیال	مقام آخر لے	٭
۱۲	الکھ	"	"	الکھ پرش	"	٭
۱۳	اگم	"	"	اگم پرش	"	٭
۱۴	انامی	"	"	انامی پرش	"	٭
۱۵	ست	"	"	ست پرش	ہوت	٭
۱۶	بھنور گپھا	دماغ کی چوٹی	-	سوہنگ پرش	ہوت الہوت	٭

جس[۱] طرح جسم کی تمام طاقتوں کا مرکز اور آدھار آنکھ پر یعنی تیسری سرت ہے۔ جو دونوں بھوؤں کے درمیان ہے اسی طرح برہمانڈ کی ساری طاقت کا مرکز آسکا دیش ہے۔ جو اس کی چوٹی پر ہے اسی طرح روحانی طبقہ کے مرکز کا نام رادھا سوامی ہے۔ بھنور گپھا سے وہ روحانی دھار نیچے آتی رہتی ہے۔ جو اس طبقہ

۱ ممکن ہے کہ کہیں کہیں کسی کو اس بیان میں اختلافات نظر آئیں۔ ہم نے اس کو اپنے طور پر لکھا ہے۔ اس لئے معذوری و مجبوری ہے۔ جس کو جو صحیح معلوم ہو وہ ویسا سمجھ لے ٭

کے لئے غیر ضروری ہے۔ اسی طرح ترکٹی (الغیب) سہس دل کنول کا دوار کام کرتا ہے۔ یعنی برہمانڈ کی ہی جوئی روحانیت کو باہر پھینکتا رہتا ہے۔ پنڈ میں گدا چکر کا دھنی گنیش کثیف اور غیر ضروری مادہ کو اسی قانون کے مطابق خارج کرتا ہے کیونکہ ان سے بالترتیب نیچے کی رچناؤں کا بیوہار ہوتا ہے۔

اب ہم ذیل میں ایک نقشہ اندراج کرتے ہیں۔ جس سے اس مشابہت کی اور بھی مزید صراحت ہو گی ۔

دیال دیش کے طبقات	کال دیش کے طبقات	مایا دیش یا پنڈ کے طبقات
۱۔ رادھا سوامی دھام	۱۔ مہا سُن	۱۔ تیسرا تل
۲۔ الکھ لوک	۲۔ سُن	۲۔ کنٹھ چکر
۳۔ اگم لوک	۳۔۴۔۵۔ ترکٹی	۳۔ ہردے چکر
۴۔ اناحی لوک		۴۔ نابھی چکر
۵۔ ست لوک		۵۔ اندری چکر
۶۔ بھنور گپھا	۶۔ سہس دل کنول	۶۔ گدا چکر

اٹھارھواں پیغام

پنڈ میں رہ کر برہمانڈ کی سیر اور روحانی طبقہ کے داخلہ کا امکان

جہاں تک ممکن تھا۔ ہم نے تین بڑے طبقات کی وضاحت اور صراحت کر دی

جو نہایت آسان

اس میں شک نہیں کہ بیان کم ہے اور جیسا ہونا چاہئے ویسا نہیں ہے۔
ہندوؤں میں روحانیت کے مضمون پر اس قسم کی کتابیں نہیں ملتیں مگر جس
شخص نے بھی سنت ستگرو کی تعلیم کا تجربہ ہے۔ اسے اس میں بھی اس کی تشفی کا سب کچھ
سامان ملے گا۔ اب ہم اس بات کو ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ پنڈ
یعنی انسانی جسم میں رہ کر اپنے ہی اندر اگر ایسا ہی چاہے۔ تو طالب صادق
اور قوت تمیز کی مدد سے برہمانڈ اور پھر برہمانڈ کے پرے روحانی مقام
تک جو انتہا ہے پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ ان سب کے درمیان ایک قسم کا
اندرونی سلسلہ موجود ہے۔ جہاں جہاں طبقات کی زنجیر کی کڑیاں
ملتی ہیں۔ انہی کڑیوں کے بیچ سوکشم نالی گذری ہوئی ہے۔ اور
آتما اس میں سے گذر کر چلے یہی اس کا امکان ہے۔

یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ سنسار صرف خیالی ہے حقیقت میں نہیں ہے۔
وہ اس واسطے ہے کیونکہ انسان اور انسان کے خیالات موجود ہیں۔ اور
انسان کا خیال اپنی دنیا بنا لیتا ہے۔ اگر انسان نہ ہوتا تو دنیا نہ ہوتی
یعنی اس کی صورت ہستی کے آئینہ اور آئینہ کے عکس کا امکان نہیں ہوتا
یہ خیال صحیح ہے یا غلط ہے۔ اس پر اس وقت ہم کچھ کہنا نہیں چاہتے۔
ہم جگت کو ویسا ہی دیکھ رہے ہیں اور دیکھنا چاہتے ہیں جیسا کہ وہ
نظر آرہا ہے۔ اگر پہلے خیال پر جائیں تو پھر کسی چیز کی تحقیقات اور تفتیش
کی ضرورت ہے۔ نہ کچھ کرنا دھرنا ہے۔ اس وقت ہم جس خیال کو لیکر کام
کر رہے ہیں۔ اس میں عمل اور شغل سب کچھ ہے۔ اور اس لئے ہم کو

تپتا ہے جو اور چکر اسکو اور اپنے روپ سے دیکھنے کی کوشش کرتا ہے
سب لوگ کہتے چلے آئے ہیں کہ پنڈ برہمانڈ کی نقل ہے۔ اس کا یہ
مطلب نہ سمجھو کہ صرف ایک نقلی صورت بنا کر رکھ دی گئی ہے۔ مٹی کا
پتلا انسان کی نقل ضرور ہے۔ اس میں کیا شک ہے مگر یہ نقل محض ہے
اور صرف باہری نقشہ دکھانے کی کوشش ہے۔ اس میں انسان کے جسم
کے اندرونی حرکات و سکنات اور ان کے اعضا اور اعمال بھی نہیں
ہیں جس معنی میں انسان برہمانڈ کی نقل بنایا گیا ہے۔ اس کا مطلب
یہ ہے کہ جو کچھ برہمانڈ میں ہے جتنی قوت کی لطیف دھاریں اُس میں
کام کرتی ہیں۔ اور چونکہ برہمانڈ خود روحانی طبقہ کا عکس ہے۔ اس لئے
برہمانڈ اور روحانی طبقہ تک کی نقل کا وجود اُس میں ممکن ہے ؛

اس بادی مشابہت کے متعلق بہت کچھ کہا جا سکتا ہے جسم کی طبقات
کا بیان چھوٹی بہت کچھ واضح ہے۔ مگر ابھی تک انسان کے سر اور اُس کی
بناوٹ کی بابت کم لکھا گیا ہے۔ روحانی طبقہ کی مشابہت اسی کے اندر
دماغ سے ہے اور اسی میں روحانی۔ اور روحانی مادی طبقات کی نقلوں
کا سامان موجود ہے۔ انسان کے دماغ میں بارہ حصے یا کوٹھڑیاں
ہیں۔ اُن میں سے چھ میں تو بھوری رنگ کا مادہ ہے اور چھ میں بالکل
سفید رنگ کا مادہ ہے۔ پہلے برہمانڈ کے چھ حصوں کی نقلیں ہیں
اور پچھلے روحانی طبقات کی عکسی صورتیں ہیں۔ ان کے اندر روح اپنی
سرت کی دھار کی معرفت گرو کے بعد گرہ کے داخل ہو سکتی ہے ؛

قائم ہی دنیا میں سُرت ہی عجیب و غریب تکمیل کرتی ہے۔ اندرونی دنیا میں بھی اسی کو باریابی کا حق حاصل ہے۔ بشرطیکہ سنتوں کے طریق کے بموجب اوپر کی طرف چڑھائی کی جائے؎

جسم کے اندر جتنے چکر، کنول یا حلقے ہیں۔ وہ اُس وقت تک مجہولیت کی حالت میں پڑے رہتے ہیں۔ جب تک کہ سرت کی دھار اُن کے ساتھ اپنا کھیل شروع نہیں کرتی جہاں اس کا اُن کے ساتھ میل ہُوا وہ زندہ ہو جاتی ہے۔ ان میں حرکت آجاتی ہے اور مجہولیت کا رنگ جاتا رہتا ہے۔ اسی طرح اوپر دماغ میں جو سفید اور بھورے رنگ کی کوٹھریاں یا مقامات ہیں وہ بھی مجہولیت کی حالت میں رہتی ہے۔ اور صرف سرت کے اُدھر متوجہ ہونے سے ان میں تیزی آتی ہے۔ ان کوٹھریوں کے رنگ پر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ضرورت صرف اس نقطہ خیال کی طرف رجوع ہو کر سمجھنے کی ہے۔ جدھر ہم اپنے پڑھنے والوں کی توجہ کو مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ یہ کوٹھریاں اتنی اہم نہیں ہیں۔ اہمیت تو سرت یا روح کی ہے؎

مثلاً زبان اندری صرف حواس ہے۔ اور ایک معمولی اوزار ہے۔ اسمیں بطور خود کوئی بزرگی یا فضیلت نہیں ہے۔ وہ اس وقت تک کچھ کام نہیں دے سکتی۔ جب تک سرت کی دھار اُس پر نہ آوے۔ جب سرت اُس کے پور پور یعنی تمام مسامی سوراخوں میں داخل ہو جاتی ہے۔ اسوقت وہ زندہ بن جاتی ہے۔ اور کھٹا۔ میٹھا۔ کڑوا۔ کسیلا۔ چرپرا۔ نمکین کا مزہ لینے لگتی ہے۔ زبان میں کتنے پور ہیں۔ ہم نہیں بتا سکتے۔ ممکن ہے

سینکڑوں ہوں - اور ان سینکڑوں ہیں سینکڑوں دھار والی ہوکر سرت داخل ہوجاتا ہے - تب وہ لذت لینے کے قابل بنتی ہے - اور پھر جب وہ دھار کھنچ جاتی ہے جیسا کہ سکتہ - بیہوشی - بیماری اور سمادھی کی حالت میں ہوا کرتا ہے - تب وہی زبان پھر مردہ صفت اور نکمی ہو جاتی ہے - اس لئے جو کچھ بزرگی ہے وہ سرت کی ہے - حواس بیجان ہیں - اندریاں بذات خود نکمی ہیں - صرف سرت کی طاقت پاکر یہ زندہ ہو جاتی ہیں - اور کام کرنے لگتی ہیں - یہی حال ہمارے جسم کی تمام اندریوں اور کوٹھڑیوں یا حلقوں کا ہے جیسا اوپر کسی جگہ بیان کر دیا گیا ہے - موت کے وقت جب سرت کا اوپر کی طرف کھچاؤ ہوتا ہے - تب ہاتھ پاؤں سب ہی مر جاتے ہیں - اس لئے جہاں کہیں جسم یا دماغ و سر کے حلقوں اور کوٹھڑیوں کا ذکر آئے - ہمیشہ خیال رہے کہ وہ بطور خود کچھ نہیں ہیں جو کچھ ہے وہ سرت ہے ٭

اسی طرح اگر سرت کا کسی خاص جگہ پر زیادہ ٹھیراؤ ہوگا تو وہ جگہ اتنی ہی روشن اور زندہ ہوگی - جتنا ہی جس اندری کو زیادہ سرت کی دھار کا سہارا ملتا ہے وہ اتنا ہی بلوان اور طاقتور ہوتی ہے - یہی سبب ہے کہ بعض جانوروں میں قوت بینائی زیادہ ہوتی ہے - بعض میں سماعت کی طاقت زیادہ ہوتی ہے - وعلیٰ ہذالقیاس -

جیسے کہ ہم روزانہ کاروبار میں اپنے خاص خاص اندریوں کو زیادہ سہارا دیتے ہیں اور ان کو زندہ کر لیتے ہیں - اسی طرح اگر سرت کی توجہ کا رُخ دماغ کی طرف ہو تو اس کی مجہول کوٹھڑیاں جو بھورے اور سفید رنگ

کی ہیں۔ متحرک ہو جائیں گی۔ اور اُن کا کھیل ہمارے اندر شروع ہو گا۔ نہ صرف ہم کو ان کی خبر ہو جائے گی۔ اور ہم اُن سے واقف ہی ہوں گے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُن کی مجہول خوبیوں کی وراثت بھی ہم کو ملجائے گی:

آخری پیغام میں ہم نے مختلف مقامات کے مختلف دھنی اور مالکوں کا نام بیان کیا ہے۔ یہ فرضی اور وہمی وجود نہیں ہیں۔ بلکہ اصلیت رکھتے ہیں اُن میں خاص خاص قسم کی طاقتیں ہیں۔ اور خاص خاص طرح کی لطافتیں ہیں اگر ابھیاسی ان کا تصوّر کرتے ہوئے سرت کی دھار کی مدد سے ان تک رسائی پیدا کرلے۔ اور اُن کو اپنا بنالے تو وہ باسانی عمل مشاقی اور ابھیاس کی مدد سے اُن کی لطافت کا وارث ہو گا۔ اور وہ خود لطیف بن جائے گا جس کا اظہار اُس کے جسم اور چہرہ کی رنگت ہو لگے گا:

بات کا سمجھنا اتنا مشکل نہیں ہے۔ مگر دقت یہ ہے کہ لوگ سچائی سے منحرف ہوتے ہیں اور سچائی قبول کرنے سے کتراتے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے۔ سُرت کی دھار کو جسم کے کسی حصہ میں متحد کر دینے سے انسان طاقتور ہو جاتا ہے۔ سرت کی دہار کے دل کے ساتھ جوڑ دینے سے دل کچھ کا کچھ بن جاتا ہے سرت کی دہار جب برابر عقل سے ملتی ہے۔ تو انسان عقیل ہو جاتا ہے۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ سُرت روحانی کو ٹھڑیوں سے ملحق ہونے پر انسان کو روحانی نہ بنادے گی۔ اور وہ سُکھی نہ ہو گا:

جو ناڑی ایک حلقے یا چکّر سے دوسرے حلقے یا چکر تک گزرتی ہے سوشمنا کہلاتی ہے۔ سُرت اسی میں سے ہو کر گزرتی ہے۔ سرت سوشمنا ناڑی سے مختلف ہے وہ صرف گزرگاہ ہے اور کچھ نہیں اور اس کی سڑک سے ہوتی ہوئی دھار ایک مقام سے دوسرے مقام پر جاتی اور اُس پر قبضہ پاتی ہے۔ سب سے پہلے کسی ایک کوٹھڑی پر جو تعلیم کیوقت بتائی جاتی ہے سرت کی دھار کو سمیٹ کر جماؤ۔ جس وقت مزاج میں لطافت آئیگی۔ خود بخود اُس میں بالیدگی حاصل ہوگی۔ اور سوشمنا ناڑی اُس کا ذریعہ ثابت ہوگا ؛

مثال کے طور پر یوں سمجھو۔ تمہارے مکان کے اندر ایک اندھیرا کمرہ ہے۔ اس کمرہ میں ایک بہت ہی چھوٹا سوراخ ہے۔ جس سے گزر کر سورج کی روشنی آتی ہے۔ اگر تم اس روشنی پر توجہ جماؤ۔ اور اُس کی طرف لطیف ہو جاؤ۔ تو سورج کی اس کرن پر جو کمرہ میں آرہی ہے۔ سوار ہو کر نورانی سورج تک پہنچنے کے قابل ہو سکو گے۔ اور اُس سے مل کر اتحاد کے اصول کے موافق ایک ہو جاؤ گے۔ پران یوگ کی اصلاح میں اسی کو سنجم کہتے ہیں۔ سنجم کوئی اور شے نہیں ہے مگر سمجھتا بوجھتا کون ہے۔ خیر اسی طرح اگر انسان سرت شبد یوگ کا عمل کرے تو اُس کے ابھیاس کے سلسلہ میں ایک مقام سے گزرتا ہوا دوسرے مقام پر پہنچے گا۔ اور پھر اُس سے ہو کر تیسرے میں آئے گا۔ اور آخر کار اس مقام تک رسائی حاصل کر لے گا۔ جو سب کی ابتداء۔ انتہا اور اوّل و آخر ہے اور دکھ کے پنجے سے ہمیشہ کے لئے چھوٹ جائے گا ؛

بعض لوگ اس طرح یقین رکھتے ہیں کہ روح یا سرت بطور خود کوئی شے نہیں ہے بلکہ تتوں یعنی عنصروں کے میل سے ایک قسم کی طاقت میں جو نتیجہ ظاہر ہوتا ہے وُہ وہی ہے۔ بعض اس کو اور کچھ سمجھتے ہیں۔ یہ غلطی پر ہیں۔ روح کوئی شے ہے تتو۔ عنصر۔ قدرت کے اصول۔ سب اپنی زندگی کے لئے اس کے محتاج ہیں جب وہ چلی جاتی ہے یہ بھی غائب ہوجاتے ہیں۔ ایک بڑ کے دانہ ہی کو دیکھو۔ جب انکھوے کی صورت میں وہ باہر آتا ہے۔ قدرت کی تمام طاقتوں کو اپنی طرف متوجہ کر کے شاندار درخت بن جاتا ہے۔ اس وقت میں سُرت کی دھار ہے مگر جب وہ دھار اس کو چھوڑ دیتی ہے۔ درخت سوکھ جاتا ہے۔ قدرت کی طاقتیں پھر اس کو زندہ نہیں رکھ سکتیں ؛

اسی طرح سُرت کا دماغ سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ دماغ نہیں ہے دماغ اس کا اوزار ہے۔ اور مفید اوزار ہے۔ مگر سرت اس سے بالکل مختلف ہے۔ وقت آتا ہے جب جسم کی اور اندریوں کی طرح وہ بھی اپنے کام اور عرض معطل ہوجاتا ہے۔ یہ دماغ سب جانداروں میں نہیں ہے بعض بعض اس سے محروم ہیں مگر دیکھو وہ زندہ ہیں۔ اور زندگی کا تماشا دکھاتے ہیں۔ اگر سرت دماغ ہوتی۔ تو پھر ان جانداروں کو زندہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہے کہ سُرت اور شے ہے اور دماغ اور شے ہے۔ اور دماغ کو سرت یا روح سمجھنے والے سخت غلطی پر ہیں ؛

اس مقام میں ہم نے جسم میں رہ کر برہمانڈ اور روحانی طبقات کے

سیر کی امکان پر بحث ہے۔ آئندہ ہم اس طریقہ کے متعلق کچھ اور بیان کریں گے۔ جس کی مشاقی اور ابھیاس سے روحانی عروج کی حالت حاصل کی جاسکتی ہے۔

انیسواں پیغام

یوگ اور تین بند

گورو نانک صاحب کی بانی ہے:-

تین بند لگائے کر سن انحد ٹنکور
نانک سن سمادھ میں نہیں سانجھ نہیں بھور

اسی مضمون پر ایک صافی دل صوفی کا بھی کلام ہے:-

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند
گر نہ بینی سر حق بر من بخند

سنتوں کا یوگ کیا ہے؟ تین بند لگا دیا۔ باہر کی طرف سے آنکھ زبان اور کان بند ہوں۔ خود بخود حقیقت کا پردہ اندر ہی اندر کھلتا چلا جائے گا۔

اُن مُن لاگی سُن میں۔ نِس دِن رہے غلطان
تن من کچھ سوجھا نہیں پایا پد نروان

زبان۔ کان اور آنکھ۔ یہی تین زبردست اندریاں ہیں۔ جن کا اس دنیا میں کثرت کے ساتھ کاروبار رہتا ہے۔ یہی انسان کو زیادہ تر باہر مکھ بناتی ہیں۔ اگر یہ قابو میں آجائیں تو باسانی ان کا انترمکھ

ہونا ممکن ہے۔ جب تک یہ قابو میں نہ آئیں گی۔ توجہ کی دھار بار بار
باہر آجائیگی اور انسان ہمیشہ دُکھ میں مبتلا رہے گا۔ یہ من کو باہر کھی
نچتی رہتی ہیں۔ اور من اس کو سنسار کے غلط و جھوٹے سکھوں میں
پھنسائے رکھتا ہے۔ مگر کیا ترکیب ہے کہ ان سے چھٹکارا پا جاوے
وہ یوں تو ماننے والی نہیں ہیں۔ سنت فرماتے ہیں۔ من رس لینے
کا عادی ہو گیا ہے۔ باہر اس کو سکھ کی تلاش رہتی ہے۔ اگر اندر
اس کو کوئی بڑھ کر سکھ ملے۔ تو وہ بآسانی ادھر سے مڑ کر ادھر رجوع
ہو جائے گا۔ اور جس وقت یہ انترمکھی ہوا۔ پھر کیا کہنا ہے اپنے اندر کے
تماشے اسکو مصروف رکھ کر آگے کی طرف اُس کو دھکیلتے رہیں گے
اور اس کا قدم آگے بڑھتا جائے گا۔ زبان لوبھی ہے اور رس لیتی ہے
آنکھ خوشنما نظارے دیکھنے کی شیدائی ہے۔ کان خوش آئند راگ
سُننے کے شائق ہیں یہ ان کو باہر دل جاتے ہیں۔ عادتیں پڑی ہوئی
ہیں عادت پر آسانی سے غلبہ پانا کٹھن ہے۔ مگر ان کے بیوہار کیلئے
اندر بھی یہ سامان کثرت سے موجود ہیں۔ زبان امرت رس پیئے
اور سچے نام کا بے حرکتی کے ساتھ ورد کیا کرے۔ آنکھیں اندرونی روحانی
نظارے کے مشاہدہ کا لطف اُٹھائیں۔ کان انحد راگ کو اپنے اندر سنیں
جو بسا اوقات باہر کے باجوں سے زیادہ سُریلے اور رسیلے ہیں۔ اُن کے
تعلق سے اُن کو سرور رہے گا۔ دھیرے دھیرے نشہ کی حالت طاری ہوگی
جب ایک مقام پر کچھ دنوں بیٹھ کر عمل کرنے سے اس کا ساوات

ہو جائے پھر آگے خود بخود او نچے کی طرف رجوع ہونا پڑے گا۔ قدم عشق بیشتر بہتر۔ باہر کی کیفیت تو پھر بھی انسان کو تھکا دیتی ہے اندر نکان نہیں ہے۔ ہاں دل کی یکسوئی کیوجہ سے گوڑھ ندرا کا خوف ضرور ہے۔ اُس سے ابھیاسی کو بچکر چلنا ہے بعض لوگ اسی کو سمادھی کہتے ہیں۔ یہ اُن کی غلطی ہے۔ سنت مت میں سمادھی ایک قسم کی روشن ضمیری کی حالت کا نام ہے جس کے کئی درجے ہیں ندرا اور آلسیہ سے جو ابھیاسی بچ گیا۔ رفتہ رفتہ بتدریج وہ کسی دن خوشی اور مسرت کے ساتھ ایسے استھان پر پہنچ جائے گا۔ جہاں خالص روحانیت ہے۔ اور پھر وہاں عمل و شغل کی ضرورت نہ رہے گی:۔

جاپ مرے اجپا مرے انحد بھی مر جائے
سُرت سمانی شبد میں تا ہی کال نہیں کھائے

باہر زبان آنکھ اور کان سب غور کرنے کے قابل ہیں۔ زبان بولتی ہے۔ تقریر کرتی ہے۔ بولتے بولتے خشک جاتی ہے اور دل روحانیت سے خالی ہو جاتا ہے۔ اس کی حالت پھر قابل رحم ہوتی ہے۔ واعظ اور اُپدیشک اکثر غلطی کے شکار ہو کر گمراہ ہوتے ہیں۔ اور اپنے علم کے عامل نظر نہیں آتے۔ جس کا وعظ کرتے ہیں۔ لوگ اوروں کی تقریریں سُن کر متاثر ہوتے ہوئے اپنی قوت ارادی کو ہاتھ سے کھو بیٹھتے ہیں دونوں کا روحانی نقصان ہوتا ہے:۔

آنکھ دو قسم کی خدمت انجام دیتی ہے۔ دیکھتی ہے اور دل کے اثرات

اوروں کو دیتی ہے۔ اور ساتھ ہی دوسروں کے دلی اثر کو کھینچکر دل میں ڈال لیتی ہے۔ دیکھی ہوئی چیز کا نقشہ اُس کی وجہ سے دل پر پڑتا ہے ؛

کان باہر کی طرف کی آواز کو سُنتے ہی باہر مکھی بنا دیتا ہے۔ اچھے گیت سُریلے نغمے۔ فرحت بخش قصے سنسنی پیدا کرنے والی خبریں۔ ہنسی مذاق کی باتیں اس کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہیں ؛

دنیا میں بندھن کے باعث یہ تین اندریاں سب سے زیادہ ہیں۔ ان تینوں میں ہر ایک یا تو اپنا دلی اثر اوروں کو دیکر کمزور کرا دیتا ہے۔ یا دوسروں کا اثر لے کر اپنی حالت کو تبدیل کرا دیتا ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ صرف زبان ہی خیالات کے اظہار کا آلہ ہے۔ آنکھ اس سے بھی زیادہ دل کی بات دوسرے کے دل میں ڈال دیتی ہے۔ اس کے سوا جہاں کسی چیز کی طرف نظر گئی آنکھوں میں تیزی اور حرکت آ گئی۔ تم خود کسی مردہ ہی تصویر کو دیکھو جس کی آنکھ نہیں بنائی گئی۔ تمھاری توجہ اس میں اتنی جذب نہ ہوگی۔ آنکھ والی تصویر کو دیکھا نہیں کہ اس کی طرف متوجہ ہوئے نہیں۔ آنکھ دنیا میں سب سے زیادہ جادوگر ہے۔ اگر یہ چاہے تو طاقتور ہو کر ایک نظر سے آگ لگائے اور ہلاک کر دے۔ یہ خود اوروں سے متاثر ہوتی ہے۔ اور دوسروں کو متاثر کرتی رہتی ہے۔ متاثر ہونے میں آنکھ سے زیادہ کان کام کرتے ہیں۔ آدمی کسی شے کو دیکھ کر چاہے اس قدر اس کی طرف نہ کھچ سکے۔ لیکن کان نے آواز سنی نہیں۔ کہ آواز کی طرف کھچا نہیں آواز میں خاص قسم طاقت ہے۔

اور کان آواز کو سُن کر بہت ہی جلد دل کو اس کی طرف لگا دیتا ہے۔ سپیرے بین
بجا کر سانپ کو رِجھاتے ہیں اور اُسی کے راگ اور صدا سُنانے سے اس کو
گرفتار کر لیتے ہیں اور غلام بنا لیتے ہیں۔ الغرض زبان۔ آنکھ۔ اور کان
یہ سب سے زیادہ پھنسانے والی چیزیں ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں۔ اُن کے
بیان میں اسی قدر تحریر ان کی حقیقت کے کھول کر دکھانے کیلئے کافی ہوگی۔
یہی وجہ ہے کہ سنتوں نے ان تینوں اندریوں کو قید بند کی حالت
میں رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ کبھی نہ سمجھنا کہ ان کا مارنا یا
ان کا ہلاک کرنا مقصود ہے۔ نہیں۔ کیونکہ بیوہارک جگت میں اُن سے
زیادہ ضروری اور کارآمد شے دوسری نہیں ہیں۔ مطلب صرف یہ ہے
کہ شغل اور روحانی عروج کی نظر سے ان میں خود ضبطی۔ تادیب اور تربیت
کی حالت پیدا کی جائے تاکہ یہ اپنے بس میں رہیں۔ جب تک ان پر قابو
نہیں ملتا۔ من کا سمٹنا مشکل ہے۔ وہ چنچل کا چنچل بنا رہے گا۔ جس
وقت یہ ضبط میں آ گئے۔ اس وقت سمرن دھیان بھجن سب کچھ بنے گا۔
ورنہ بیٹھنے کو چاہے۔ جہاں بیٹھو۔ یہ باہری جگت کے سنسکار کو من کے
اندر بھرتے رہیں گے۔ اور باہری دنیا کی یاد دلا دلا کر دل کو یکسو ہونے
سے روک رکھیں گے۔ اُن کی طاقت کو باہر کی طرف بالکل نہ خرچ
ہونے دو۔ اُن کو مطلق العنان نہ چھوڑو۔ اور نہ ہمیشہ ان کی وجہ سے
اوروں کے اثر سے متاثر ہو کر اپنی قوت ارادی کو برباد کرو۔ ان
تینوں جملوں میں تین مقصد بتائے گئے ہیں۔ ان پر غور کرنا ضروری ہے

ان پر غور کرنے سے سنتوں کی تعلیم کی خوبی کو ذہن نشین کر سکو گے جس طرح یہ باہر جگت میں پھنسانے کے کارن بنتے ہیں ویسے ہی ان سے رُوح کی چڑھائی کے وقت مدد بھی لی جا سکتی ہے ؛

سُرت کا سفلی طبقات کی طرف نزول کیوں ہوا ؟ صرف خارجی اسباب کے تعلق ہلوسل اور خواہش کے سبب سے ۔ اور جب تک اندریوں کے روکنے کی تعلیم نہ دی جائے گی ۔ وہ اونچے کیسے چڑھ سکے گی ۔ یہ تینوں اندریاں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے ۔ دنیا میں تجربہ اور مشاہدہ کے بہت بڑے زبردست ذریعے ہیں ۔ زبان ۔ آنکھ کان ہی سب کچھ ہیں ۔ اور یہ اُلٹنے پر اندر بھی بہت کام کی چیز ثابت ہوتی ہیں ۔ بشرطیکہ اُن کی تربیت اور اصلاح کر لی جائے ۔ ابتدا میں اس تربیت کی سخت ضرورت پڑتی ہے ۔ تاکہ اُن کا رُخ باہر کی طرف نہ رہے ۔ ورنہ روحانیت کی دھار ان کی وجہ سے خارج ہوتی رہے گی ۔ اور وہ کمزور بنا دیں گے ؛

یہ بھی خیال ضرور رہے کہ صرف اسی دُنیا میں یہ تینوں اندریاں کام نہیں دیتیں ۔ آئندہ سوکشم طبقہ میں بھی ان کی ضرورت رہتی ہے جس کو لوگ ۔ دیوا چن ۔ دیوستھان ۔ دیو بھومی ۔ کہتے ہیں ۔ وہ صرف تمھارے سوپن اوستھا کی حالت ہے جب تم خواب کی حالت میں جاتے ہو ۔ تو تم بھی دیوتا روپ ہو جاتے ہو ۔ اس موٹے چمڑے کے غلاف کو اُتار کر رکھ دیتے ہو ۔ اور ظاہر ایسے جسم کے بن جاتے ہو ۔ اب بتاؤ ۔ وہاں آنکھ کان اور زبان کی ضرورت رہتی ہے یا نہیں ؟

بولتے ہو۔ کھاتے پیتے ہو دیکھتے اور سنتے ہو اگر تمہارا شعور اس لطیف طبقہ کے عالم ارواح میں ہے۔ تو تم سمجھتے ہو گے۔ کہ جسم سے علیحدہ ہوتی ہوئی روحیں بھی جب کبھی اپنا اظہار کرتی ہیں۔ تو ان تینوں سے کام لیتی رہتی ہیں۔ اس لئے یہ بہت ضروری ہے ؎

باہری کام میں ان کی مشاقی بڑھی چڑھی ہے۔ مگر اندرونی کام یا اُترمکھی ورتی کے خیال سے ان کی اندرونی توجہ کی طاقت مجہولیت کی حالت میں پڑی ہوئی ہے۔ ان کی طاقتوں کو تاریکی کے قید خانہ سے جگا دو۔ جب وہ بیدار ہو جائیں گی۔ اندرونی ابھیاس کی اعلیٰ مددگار ثابت ہوں گی ؎

جس طریقہ سے تین اندریوں پر تین بند لگائے جاتے ہیں۔ وہ حقیقت میں ابتدائی تعلیم کے مرحلے ہیں۔ جن کو سمرن۔ دھیان۔ بھجن کہتے ہیں جو کام یہ باہری رچناؤں کرتی ہیں وہی کام اُن کے سپرد اندر بھی کیا جاتا ہے۔ اور جب ان کو اندر رس آنے لگے گا۔ من خود بخود اس طرف سے اُس طرف کو متوجہ ہوگا۔ اور اُس کی متحد طاقتیں سرت کے عروج کی مددگار ہوں گی ؎

سپچے ای دشمن ہوت ہے ہر دم گھٹ کے مانہہ
سرت شبد میلا بھیا مکھ کی حاجت نانہہ

. . . . . . ؎ . . . . . .

بیسواں پیغام

(یوگ اور تین بند مسلسل)

زبان سمرن کرے۔ آنکھ دیکھے اور دھیان کرے۔ کان شبد میں لگیں ان تینوں اندریوں کی تین دھاریں الٹ کر من کے تابع ہو کر ایک خاص مرکز پر قائم ہوں۔ اور متحد ہو کر کچھ دنوں وہاں ٹھہریں۔ اور تینوں مل کر ایک ہو رہیں اس میں تثلیث اور وحدت کا راز ہے۔ باہر کی طرف من ان تینوں کے شمول سے تین روپ کا ہو رہا ہے۔ وہ تینوں کو ملا کر اپنے میں متحد کر لے۔ پھر اُس میں طاقت آ جائے گی۔ اور وہ جہاں سرت سے ملا۔ پھر کام بآسانی بن جائے گا ؛

ان تینوں کے تین کام کے سلسلے ہیں۔ چار حالتیں ظاہر ہوں گی پرتیاہار۔ دھارنا۔ دھیان۔ سمادھی ؛

الٹ کر اندر کی طرف جانا۔ باہری غذا یا باہری اسباب سے منہ موڑ کر اندرونی غذا اور اندرونی اسباب سے تعلق پیدا کرنا پرتیاہار ہے من چنچل ہے باہر نکل بھاگنے کا عادی ہے۔ ایک جگہ نہیں ٹھہرتا کبھی پاتال کو جاتا ہے کبھی سورگ کی ہوا کھاتا ہے۔ شیخ چلی کی طرح حرکتیں کرتا رہتا ہے۔ اُس کو کیسے روکا جائے۔ سب لوگ کہتے ہیں من کو روکو مگر کوئی طریقہ اور ساتھ ہی سہل طریقہ کی تعلیم مفقود ہے وہ روک سکے ہی تو کیوں کر۔ روکتے روکتے زندگی ختم ہونے پر آئی۔

مگر من جیسا تھا ویسا ہی رہا۔ سنت مت کی یہ خوبی ہے کہ سب سے سہل اور آسان من کے روکنے کی تدبیر بتاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ باہر کو بھاگتا تھا۔ اُنھیں تدبیروں سے اس کو اندر مکھی کرو۔ دھری اُلٹے کرامت بچائے جو شے بندھن کا کارن تھی وہی مکتی کا کارن ہے۔

جس وقت من اپنی قلابازیاں بھول کر مرکز پر جم کر بیٹھنے لگے گا اُس کو دھارنا کہتے ہیں۔ دھارن کرنا۔ گرفت کرنا۔ ٹھہرنا۔ توجہ کو جمانا یہ سب الفاظ قریب قریب مترادف اور ہم معنی ہیں۔ دھارنا جب نہیں آتی۔ تو کی دھار کو سمیٹنا پڑتا ہے اور اُس کو ایک جگہ ٹھہرنا ہوتا ہے جب وہ کچھ دیر کے لیے ٹھہرنے لگی وہی دھارنا ہوا۔

اور جب اس دھارنا کی حالت میں زیادہ گہراپن آتا گیا۔ وہی دھیان ہے اور دھیان کا گہراپن سمادھی ہے۔

جب آنکھ کان۔ زبان کی دھاریں ابھیاس کرتی ہوئی من میں سے ہونے لگیں۔ من سرت میں سے ہونے لگے گا۔ تو ایک قسم کا آنند ملے گا۔ جو اس دنیا میں کہیں نظر نہیں آتا۔ اور روشن ضمیری کی حالت آئے گی۔ جب یہ کیفیت محسوس ہونے لگے۔ پھر دوسرے مرکز پر چڑھائی کرنے کا خیال ہو۔ آتم پد کے آگے بڑھ چلے۔ وہاں بھی لطیف صورت میں یہی تماشا ہیں ہیں۔ وہاں قدرت کی دھاریں زیادہ لطیف ہیں۔ اُس مرکز پر بھی یہی عمل و شغل کچھ دنوں جاری رہے اور جب وہ فتح کر لیا جائے۔ آگے چلنے کی فکر ہو۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

جب تک منزلِ مقصود تک رسائی نہ ہووے برابر یہ سلسلہ جاری رہے
اپنشد کہتی ہے۔ اُٹھو۔ جاگو۔ چلو۔ جب تک منزل پر نہ پہنچو چین نہ لو۔
سُرت جس طرح اور جن جن دھاروں پر اُتر کر نیچے آئی ہے اُنہیں
پر سواری کرتے ہوئے چلنا ہوگا۔ اور وہی راستے آگے آویں گے۔ اس
میں شک نہیں کہ چڑھائی کا کام کٹھن ہوتا ہے۔ مگر سالک کو ثابت قدمی
کے ساتھ کام کرنے میں وہاں کے نظارے۔ تفریح اور خوشی کے باعث
ہوتے ہیں۔ جن سے تکان نہیں معلوم ہوتی۔ مگر یہ ضروری ہے کہ ان
تفریح اور خوشی کے سامان کو بھول کر بھی دل نہ دیا جائے۔ ورنہ وہ اٹکاؤ
کی صورت پیدا کر دیں گی اور جاتری راہ ہی میں مارا جاوے گا
نظر ہمیشہ معراج کی طرف رہے۔

سُرت کا نزول جسم میں دماغ سے ہوتا ہے۔ پہلی چیز جو بنتی ہے
وہ سر ہی ہے۔ سر سے سُرت آہستہ آہستہ اُتر کر پنڈ میں آتی ہے اور
جسم کے عضو۔ اندریاں اور رگ وریشوں کو طاقت دیتی ہے۔ چڑھائی
کے وقت نیچے کی طرف سے کھچاؤ ہوتا ہے۔ جیسا کہ موت اور سکتے کی
حالت دیکھ کر انوبھو کیا جا سکتا ہے۔ یہی کیفیت ابھیاس میں بھی
ہوتی ہے۔ ابھیاسی ان حالتوں کے احساس سے نتیجہ نکال سکتا ہے
کہ اُس کی ترقی ہو رہی ہے یا نہیں۔ اگر معاملہ برعکس ہے۔ تو اُسکو
زیادہ محنت اور شوق سے کام کرنا چاہئے۔ جس قدر محنت زیادہ
ہوگی اور شوق تیز ہوگا۔ اُسی قدر اُس کی ترقی ہوتی جائے گی۔

یہ وچار کا فلسفہ نہیں ہے۔ یہ کرنی کا فلسفہ اور عملی یوگ ہے۔ نہ باتیں بناؤ۔ نہ باتوں سے دل لگاؤ۔ کام سے کام رکھو۔ کسی کی نہ سنو۔ اپنی سی کہئے جاؤ سننے میں اوروں کے ناقص خیال جذب کرنے کا خوف رہتا ہے کہنے میں اور بات بنانے میں روحانیت سے خالی ہو جانے کا ڈر رہتا ہے احتیاط اور ہوشیاری مقدم ہے۔ ہاں جب رسائی کا درجہ حاصل ہو جائے۔ اُس وقت مضائقہ نہیں ؛

ان تین بندوں کے لگانے سے تین کیفیتیں محسوس ہونگی۔ اول امرت کا رس ملے گا۔ جو نئی زندگی بخشے گا۔ دوسرے نور کے عالم سے دوچار ہونے کا موقعہ ہاتھ آئے گا۔ جو تم کو پرکاشوان کرتا چلے گا۔ کیونکہ جیسی صحبت ویسا حال جیسی فکر ویسا خیال۔ تیسرے تمھارے اندر نغمہ یزدانی سننے میں آئیں گے۔ جو خوشی بخشیں گے۔ اور آئندہ چڑھائی میں مددگار ہوں گے۔ امرت پرکاش شبد۔ یہی ست۔ چت آنند ہیں۔ تم ست چت آنند ہو۔ بآسانی ان سب اوصاف کا نشوونما ہوتا چلے گا۔ کہاں بھولے ہو۔ سہل نسخہ جو سنتوں نے دیا ہے۔ کیوں نہیں اس کو قبول کرتے اس میں سب کچھ وقت پر ہو رہے گا۔ اور اگر یوں باتیں بناتے ہو تو ہاتھ کچھ بھی نہیں آنے کا۔ چاہے اور کچھ ہو جائے۔ انبھو نہ بڑھے گا۔ اور انبھو کے نہ ہونے سے سچی اور اصلی حقیقت کی سمجھ نہ آئے گی ؛

.... ❊ ....

اکیسواں پیغام

(یوگ۔ اور تین بند مسلسل)

ابتدائی شغل سمرن ہے۔ پھر دھیان ہے۔ پھر بھجن ہے۔ بھجن کے معنی یہ نہ سمجھنا کہ راگنی راگ کا باہر دُنیا میں گانا ہے۔ نہ اس زبان سے نام لینا ہے۔ نہ اس آنکھ سے دیکھنا و دھیان کرنا ہے۔ نہ باہری کانوں سے راگ سُننا ہے۔ یہ تمکو بتا دیا گیا ہے کہ زبان آنکھ اور کان یہ من کے باہری اوزار ہیں۔ خارجی عالم میں من انھیں کے ساتھ کام کرتا ہے۔ وہ من ہی کے دراصل باہری روپ ہیں۔ من کی درتی سرت کے ساتھ اُن پر اُتر آتی ہے۔ تب یہ کام کرتے ہیں۔ ان کا باطنی روپ من میں تلاش کرو۔ اور پھر اُنھیں سے کام لینا سیکھو۔ اور کام میں مشاقی حاصل کرو۔ تاکہ اندر ہی اندر ان کی نشو ونما ہو۔ اور وہ کثیف سے لطیف بنتے جائیں۔ ممکن ہے تینوں شغل ایک ساتھ ہوں۔ ممکن ہے۔ علیحدہ علیحدہ کئے جائیں اُن میں آخری بھجن ہے۔ یہ شبد کا یوگ کہلاتا ہے۔ جو سب سے بڑھ کر ہے اسی کو صوفی سالک سلطان الاذکار کہتے ہیں۔ سچ مچ یہ تمام اذکار اور اعمال کا سلطان ہے اور اسی وجہ سے جہاں جہاں اور جس جس جگہ تصوف کی تعلیم کا اہتمام ہے۔ وہاں آخر میں اسی سے کام لیا جاتا ہے۔ یوں تو بیکھری شبد کا اور جگہ بھی رواج ہے۔ مگر اُسکے سادھنوں میں بھی شبد سنا جاتا ہے۔

ہران لوگ میں بھی شبد سے تعلق رہتا ہے۔ شغل نصیرا اور صورت سرمدی کے شاغل بھی یہ کام کرتے ہیں۔ مگر مقام فقراء اور سنت پد کی پراپتی جب ہوگی سرت شبد مارگ اور سلطان الاذکار کی کمائی سے ہوگی ؛

اس عمل سے ہرگز یہ چار حالتیں حاصل ہوتی ہیں جن کے اصطلاحی نام یہ ہیں۔ سالوک۔ سامیپ۔ ساروپ۔ سایج ؛

مرکز یا مرکوز کے دھنی کی لوک میں داخل ہونا سالوک کی اوستھا ہے مرکز یا مرکوز کے دھنی سے قربت حاصل کرنا سامیپ کی اوستھا ہے۔ مرکز یا مرکوز کے دھنی کے روپ میں پرگٹ ہونا ساروپ کہلاتا ہے۔ مرکز یا مرکز کے دھنی میں لے اور محو ہونا سایج ہے ؛

یہ حالت ابھیاسی پر ہمیشہ گزرتی ہے۔ وہ ابھیاسی کے سلسلہ میں ان کا انبھو بھی کرتا جاتا ہے لیکن اگر گورو کی مدد نہیں ہے۔ تو ان حالتوں میں بھی اُس کا اٹکاؤ ہو جائے گا اور وہ کہیں کا نہ رہے گا۔ بعض لوگ ان کو مکتی کہتے ہیں۔ مکت تو وہ ہیں۔ اس میں شک نہیں۔ مگر یہ مکتی کی عارضی صورتیں ہیں ان میں سایج کا درجہ بڑا ہے۔ لیکن اگر یہ حالت نیچے کے کسی مرکز پر پراپت کر لیگی تو پھر اُسی میں لے ہونا پڑے گا۔ اور پھر سُرت کی دھار کے نیچے اُترنے پہ جنم مرن میں آنا ہوگا فرض کرو کسی کا لے ترکٹی یا برہمہ پد میں ہو گیا برہمہ کے ساتھ لطیف مایا ہمیشہ رہتی ہے۔ اُس میں لے ہونے سے دوسرے کلپ میں پھر وہی خطرہ اور خدشہ رہے گا۔ اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ ابھیاس

کرتے وقت اپنی شخصیت کو ہاتھ سے نہ دیا جائے۔ ابھیاس کے معنی ہی یہی ہیں کہ منزل کے سارے مرحلے پیش نظر رکھ کر کام کیا جائے۔ سب سے واقفیت ہو۔ اور گورو سے روحانیت کا سنسکار لیکر چڑھائی کی جائے۔ یہ سنسکار ایک مقام کے فتح کر لینے پر جاگتے رہیں گے۔ اور آئندہ ترقی کی راہ میں سرت کو آگے کی طرف ڈھکیلتے رہیں گے۔ یہ ہونا تو پرکرتی میں بھی ممکن ہے۔ مگر کیا وہ دائمی حالت ہے۔ سنت مت کسی کو جڑ بنانا نہیں چاہتا۔ نہ اس میں جڑ سمادھی کی اہمیت پر زور دیا جاتا ہے نہ اس کی تعلیم اور اس تعلیم کے قبول کرنے کی تلقین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سنت مت کا آدرش سب سے اونچا ہے:۔

پرکرتی میں لے ہونے کی ایک نظیر سوشپتی اوستھا میں ملتی ہے اگر تم ہمیشہ اس میں رہتے ہو۔ یا اس سے تمہارا اٹھان (اٹھاؤ) بھی ہوتا ہے؟ جو جاگرت۔ سوپن اور سوشپتی میں دیکھتے ہو۔ وہی برہم سرشٹی کے اُتپتی استھتی اور پرلے کی حالت ہے۔ جو یہاں ہے وہی وہاں بھی ہے۔ صرف مدت اور امتداد زمانہ کا فرق ہے۔ یہاں تم روز جاگتے سوتے اور محو ہوتے ہو وہاں وہ حالتیں کلپ اور کلپانتر کی ہوتی ہیں۔ صرف اتنا بھید ہے اور کچھ بھی نہیں:۔

. . . .

بائیسواں پیغام

نام

سمرن کہتے ہیں نام کے جپنے کو۔ نام میں یہ تاثیر ہے کہ وہ آدرش کے خیال کو دل میں خود بخود قائم کر دیتا ہے۔ نام کہنے کے لئے نام ہے۔ مگر خیالی طور پر وہ ایک شے کے اصل روپ دکھانے کا اہتمام کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ آپ نے ایک شخص کو نہیں دیکھا ہے۔ مگر دوسرے کے کہنے سے اُس کا خیال دل میں بندھ گیا ہے۔ دل نے اُس کے خیالی روپ۔ خیالی آدرش اور خیالی طاقت کو محسوس کر لیا ہے اس لئے اگر اس شخص کے نام سے ذہنی طور پر واقفیت کا مساوات ہے۔ تو جس وقت اُس کا نام لیا جائے گا اُس کی یاد دل میں اُسی وقت آجائیگی۔ اور اُسی قسم کے خیال کو متحرک کرے گی۔ جو اُس کے نام لینے سے مقصود تھا۔ اور اگر نام کی یہ بزرگی ذہن نشین کر لی جائے۔ تو انسان بآسانی سمجھ سکے گا کہ جو لوگ ہمیشہ نام کا جاپ کرتے ہونگے وہ کس طرح نامی کے تصور میں رہتے ہوں گے۔

(۱) رلبود جان و دم راجمالِ نام خدا ❊ نواخت تشنہ لباں را زلال نام خدا

(۲) یقیں بداں کہ تو باحق نشستہ شب و روز ❊ چو ہمنشیں تو باشد خیال نام خدا

(۳) وصال حق طلبی ہمنشین نامش باش ❊ بود وصال خدا را وصال نام خدا

(۴) جمال دوست ز آئینۂ دلت تابد ❊ اگر زدود شود از صقال نام خدا

(۵) میان اسم و مسمیٰ چو فرق نیست ببیں ٭ تو در تجلیٔ اسماں جمال نام خدا
(۶) ترا نہ وطیراں در فضائے عالم قدس ٭ بشرط آنکہ بپری ببال نام خدا
(۷) معین ز گفتن نامش ملول کے گردد
کہ در ملال بود بس ملال نام خدا

یہ خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ اجمیری کا کلام ہے اور سونے کی ترازو میں تولنے کے قابل ہے اس بہتر نام کی بزرگی کی وضاحت کرنا مشکل کام ہے اس میں نام کا لطیف فلسفہ شامل ہے۔ اختصار کے طور پر ہم ذیل میں اُس کا مطلب خیز ترجمہ کر دیتے ہیں۔ تاکہ جو لوگ فارسی اچھی طرح نہیں سمجھتے وہ اس کی لذت سے محروم نہ رہ جائیں وہ فرماتے ہیں:-

٭

(۱) میرا دل و جان خدا کا نام لے گیا۔ اور خدا کے نام کے اثر نے پیاسوں کی پیاس بجھا دی۔ (۲) اگر تو ہمیشہ خدا کے نام کے خیال کی ہمنشینی کر رہا ہے تو تجھ کو یقین ہونا چاہئے۔ کہ تو رات دن خدا کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ (۳) اگر خدا کا دیدار مطلوب ہے تو خدا کے نام کے ساتھ ہمنشینی کر نام کے وصال میں خدا کا وصال ہے۔ (۴) تیرے دل کے آئینہ سے خود خدا کا نور جمال چمک اُٹھے گا بشرطیکہ نام کے صیقل سے پہلے آئینہ کو صاف کر لے۔ (۵) نام اور نامی میں کوئی بھید نہیں ہے نام کے جلال میں خدا کا جلال ہوتا ہے۔ (۶) اگر تو بازو پر

نام کے پروبال باندھ کر اُڑے تو عالم قدس کے بلند طبقات کے سیر کے
قابل ہو جائے (۸) معین خدا کے نام لینے سے مطلب نہیں ؟

کیسا اچھا کلام ہے۔ اور کیسا دل کو لگتا ہے۔ یہ دنیا نام اور روپ کی ہے جو چیز جس سے بنی ہے۔ جو شے جس میں ہے۔ عملاً ابتدا میں اسی سے تعلق کرنے سے کام بنتا ہے۔ نام خود دل میں نامی کے تصویر کو قائم کرتا ہے۔ پہلا نام ہے پھر روپ ہے اس لئے سمرن ہے تب دھیان۔ جب تک نام دل میں خیال کو پیدا نہ کرے گا۔ تب تک تصور نہ کیا جائیگا اور نہ تصور ہو سکے گا۔ مثلاً تم نے کہا "گائے"۔ اس موقعہ پر جاہے لفظ ہی لفظ ہو۔ مگر اس لفظ نے خود بخود تمہارے ذہن میں خیالی طور پر اس کا تصور باندھ دیا اور تمہارے دل میں آپ ہی آپ محض ایک معمولی لفظ کے بولنے سے گائے کے متعلق جتنے اوصاف ہیں۔ معہ تمام جسمی تعلقات کے ایک خاص خیالی تصویر بن گئے۔ اسی طرح نام بھی اور نام کا روزانہ باقاعدہ سمرن بھی من کے اندر نامی کے تصور کو پختہ کرتا رہتا ہے۔ نام پہلا زینہ ہے دھیان دوسرا زینہ ہے اور اس لئے پہلے نام ہی کی وضاحت ہونی چاہیئے ؛

نام دو طرح کے ہیں ایک ورن آتمک۔ دوسرے دُھن آتمک جو لب و لہجہ۔ زبان اور حرفوں کی مدد سے ظاہر کیا جائے۔ خواہ جو حرف بند ہو کر زبان سے بولا جائے اور جس کی صرف دھن سنائی جاتی ہے۔ یا سنی جاتی ہے۔ وہ دھن آتمک ہے۔ ایک ہی نام ورن

دھن آتمک اور ورن آتمک دونوں ہو سکتا ہے۔ مثلاً گھنٹہ بج رہا ہے
جو آواز اُس گھنٹہ سے برآمد ہو رہی ہے وہ دُھن آتمک ہے اب اگر
تم اسی آواز کو حرف بند۔ لفظ بند۔ زبان بند اور قلمبند کرنا چاہتے ہو
تو اس میں تین باتیں ہوں گی۔ پرمان۔ انومان اور شبد۔ گھنٹے کی
آواز کو کانوں سے سُننا پرمان ہے۔ کیونکہ پرمان اندریوں کے
علم کو کہتے ہیں۔ یہاں تک تو وہ نام دُھن آتمک ہے۔ اب تم قیاس
کرنے لگے کہ آیا ایسا کوئی لفظ ہے یا نہیں یہ انومان کہلاتا ہے۔
انومان انداز لگانے کو کہتے ہیں۔ اندازہ ہمیشہ پہلے اور گذشتہ تجربوں
اور مشاہدوں کی مدد سے ہوا کرتا ہے۔ دُھن کو سُن کر تم نے انومان
کیا۔ اور انومان کرتے ہی اپنے ذہن میں اس کو رکھا۔ اور پھر
اُس کے مطابق کوئی لفظ گڑھ کر زبان سے نکالا۔ یہ باہری
جگت کا باہری شبد ہو گا۔ تمہارے انومان میں گھنٹہ کی آواز
'ٹن ٹن' سے مشابہ ہے۔ تم نے خیال کیا کہ گھنٹہ ٹن ٹن بولتا ہے
اب 'ٹن ٹن' گھنٹہ کی آواز کا بیکھری بولی میں بیکھری روپ ہو گیا
اور اُسی نے باہری شبد کی صورت میں اظہار کیا۔ ایک حالت نے
تینوں درجوں میں نزول کیا۔ اور اس کی تین صورتیں ہو گئیں۔
اور تین روپ میں وہ نظر آتی ہیں۔ پرمان۔ انومان۔ اور شبد۔
اس جسمی طبقہ میں ہر جگہ کام کرتے ہیں اور وہ تین اندریاں کان
آنکھ اور زبان کو اپنے اظہار کا ذریعہ بناتے ہیں۔ یہ تینوں

[illegible] جلالی الیکٹرک [illegible]

شامل ہے۔ کوئی ایسی حالت نہیں ہے جس میں امن کا شمول نہ ہو۔
بہت اچھا۔ اب اگر کسی کو سمجھانا چاہو تو ٹن ٹن کہدو۔ وہ خود بخود
سمجھ جائے گا کہ یہ گھنٹے کی آواز ہے تین باتیں یہاں موجود ہیں جن کو
سمرن۔ دھیان اور بھجن کہتے ہیں۔ ٹن ٹن کہاں نہیں کہ دل نے
گھنٹے کی شکل کو اپنے اندر قائم کیا نہیں اور پھر ساتھ ہی اس کی
توجہ کا رخ اصلی دُھن کی طرف خیالی شکل میں گیا نہیں !
یہ تم نے شاید اب سمجھ لیا ہو گا۔

دُھن حقیقت میں لفظ حرف اور زبان وغیرہ سے پرے کی
چیز ہے وہ زبان سے اظہار میں آنے والی شے نہیں ہے تم صرف
خیالی طور پر اُس کے روپ کا اظہار کرتے ہو۔ اور اپنی سمجھ کے
موافق اس کو روپ دیتے ہو۔

قصہ ہے۔ چار آدمی کسی باغ کی طرف سے گذر رہے تھے۔ ایک پرند
جس کا نام پورب میں "بھجنگا" ہے۔ آواز دے رہا تھا۔ یہ چاروں چار
مختلف پیشہ کے آدمی تھے ایک اُن میں سے فقیر تھا وہ اپنے خیال
کے موافق کہنے لگا۔ پرند کہتا ہے۔ "سبحان تیری قدرت" دوسرا بزاز تھا
وہ بولا نہیں۔ پرند صدا دیتا ہے۔ "ململ لٹھ کمرک" تیسرا کنجڑا تھا۔ اُس نے
کہا واہ وہ صاف کہہ رہا ہے۔ "لہسن۔ پیاز۔ ادرک" چوتھا مالی تھا
وہ بولا یہ نہیں وہ کہتا ہے۔ "آم سیب کمرک"۔ کمرک کپڑے کا بھی اور
ایک پھل کا نام ہے۔ دیکھو چاروں ان میں سے صحیح تھے۔ اور

چاروں ہی غلط تھے مگر دھن کے اظہار کے مشابہ آوازیں ان کے خیال کے موافق تھیں۔ اُن کی اصلیت سے کیسے اعتراض ہو سکتا ہے۔ جو جیسا ہے ویسا ہی سمجھتا ہے اور ویسا ہی بولتا ہے اور اُسی کے موافق وہ تصوّر میں صحیح کہا جا سکتا ہے ؛

اسی طرح ترکٹی کے مقام سے جو آواز برآمد ہوتی ہے۔ وہ اوم ہے یا اوم کی شکل کی ہے۔ یوگی نے اس مقام پر چڑھ کر اس کو اُسی طور پر سُنا۔ فقیر صوفی نے اس کو "ہُو" یا "ہو" "اللہ ہو" سمجھا نانک صاحب نے اس کو واہ گورو کے نام سے پرگٹ کیا۔ کیونکہ یہ سچ مچ گورو کا استھان ہے وہ آواز اصل میں مردنگ کی آواز سے زیادہ مشابہ ہے "دھوں دھوں" اُس کو بادل کی آواز سے بھی بہت کچھ مشابہت ہے اور اسی لئے رامائن کے زندہ جاوید مصنف گوسوامی تلسی داس جی نے اس کو میگھ ناد کے روپ میں بیان کیا ہے۔ وہ لنکا کو اپنی رامائن میں کہتے ہیں کہ وہ "ترکوٹ" میں بسا ہے یہ "ترکوٹ" ترکٹی ہے۔ سالکوں کا طریق اکثر قصہ کہانیوں کے پیرایہ میں بیان کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اصلیت کی طرف تھوڑے آدمیوں کی توجہ ہوتی ہے ؛

بات ایک ہے۔ طرز اظہار کے طریقوں میں اختلاف ہے۔ اختلاف ہوا کرے۔ ہم کو اس سے کیا لینا ہے حقیقت کی طرف نگاہ کرنے سے سار اور جوہر ہاتھ آتا ہے ؛

سمجھے کا مت ایک ہے۔ کیا پنڈت کیا شیخ

اب اگر تم کو ذرا بھی سالکوں کے رموز اور اسرار سے مس ہے۔ تو تم اس کو صحیح سمجھو گے اور اگر نہیں ہے۔ تو یہ باتیں حرف مت کتھا معلوم ہوں گی۔ تر کٹی کی آواز پھر بھی اگر کسی شکل میں مکمل ہوتی ہے تو وہ صرف "اوم" ہی ہے۔ اور اسی لئے سنت مت میں اُسی سے تعلق رکھا گیا ہے وہ دُھن آتمک نام ہے جو زبان سے اصل میں ادا نہیں ہوتا صرف چڑھائی کے وقت اُس کی صدا سنی جاتی ہے۔ اگر تم عالموں پنڈتوں کے پھندے پڑے تو وہ تم کو اس نام کے ایک ایک حرف کی تشریح میں پھنسا دیں گے۔ ہم بھی بہت دنوں تک اس جال میں پھنسے تھے۔ اب گورو کی اپار دیا سے چھوٹے ہیں؛

سب سے پہلی چیز جس سے نام کا اظہار ہوتا ہے۔ زبان ہے اور زبان ہی کو پہلے اس کی طرف مخاطب کر کے اُس کا ذکر، ورد، اور سمرن کیا جاتا ہے جو نام جیسا ہے۔ اس کا لفظ ویسا ہی زبان کے ذریعہ ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مثلاً گھنٹے کی آواز کا اظہار جب کبھی کسی زبان میں کیا جائے گا۔ اسی طرح کیا جائے گا۔ ہم اس کو ٹن ٹن کہتے ہیں۔ مغربی دنیا کے لوگ اسکو "ڈِن ڈانگ" کہتے ہیں زبان تالو سے لگ کر اس کو ظاہر کرتی ہے؛ جس وقت نام کا سمرن کیا جاتا ہے۔ خیال خود بخود اس کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ اور خیال کے برابر مشاقی کرتے رہنے سے ایک خاص طرح کی دل میں طاقت پیدا ہوتی ہے۔ جو اندرونی طور پر

اپنے اندر اُس کے ساکشاتکار کرانے کی طرف رجوع رہتی ہے اور آخر میں وہ حقیقت کے پردوں کو پھاڑ کر اُس کا روپ دیکھتی ہے۔ اس روپ کا دیکھنا دھیان سے جس کا ذکر ہم دوسرے پیغام میں کریں گے۔

تئیسواں پیغام

(نام مسلسل)

سنت مت میں نام کی بڑی مہما ہے۔ مگر اُن کے یہاں جس نام پر زور دیا جاتا ہے وہ صرف دھن آتمک نام ہے۔ دُھن آتمک نام ذاتی ہوتے ہیں۔ ورن آتمک نام صفاتی ہیں۔ سنتوں کے یہاں حتّی الوسع ذاتی ہی نام سے تعلق رکھا جاتا ہے۔ اوم ذاتی نام ہے رام ذاتی نام ہے وغیرہ وغیرہ ان سب کو کرتم پوجا کرنے والے صفاتی بنا ڈالتے ہیں۔ اور اُس کی تشریح و توضیح میں ورق کے ورق اور کتاب کی کتاب لکھ مارتے ہیں ان سے ہم کو جھگڑا نہیں ہے۔ مگر جو لوگ سالکوں کی طریق میں کام کر رہے ہیں۔ اُن کو اس سے بچنا چاہیئے۔ کیونکہ صفات زوال پذیر شے ہیں۔ ذات میں اصلیت ہے اور جب تک اصلیت کی طرف توجہ نہ جائے گی۔ اور اُس سے رشتہ تعلق نہ جوڑا جائے گا تب تک اصلی فائدہ جو نام کا ہے وہ حاصل نہ ہوگا۔ نام لو۔ نام کا سمرن کرو۔ مگر اس کا بھی پتہ حاصل کر لو کہ

وہ کس مقام اور کس مقام کے دھنی کا نام ہے۔ تاکہ خیال کی طاقت اور شبد کی شکتی اپنا کام کرے اور ابھیاس کی ترقی کے ساتھ ساتھ اُس پد کا ساکشاتکار بھی تو ہو سکے ؛

یہ تو ہم نے تم کو پہلے بتا دیا ہے کہ نام لیتے ہی دل میں ایک خاص قسم کی حرکت ہوتی ہے مگر نگاہ کو کسی شخصیت کی طرف اور اُس میں اور اُس پر جما کر جو نام لیا جائے۔ وہ خاص قسم کا اثر پیدا کرتا ہے۔ خالی تم "شیو شیو" کہا کرو۔ یہ ضرور ہے کہ وہ دھار شیو تک پہنچے گی۔ مگر کمزور رہے گی۔ اور کہا جائے اُس کا کیا اثر ہو۔ لیکن اگر شیو کا استھان سمجھ لیا گیا۔ شیو کا روپ جان لیا گیا۔ اور اس کا یقین بھی ہو گیا کہ شیو اس جگہ رہتے ہیں۔ اگر ان سب باتوں کا پتہ لیکر شیو کے مخاطب کرنے کے ارادے سے اُن کا نام لیا جائے گا تو فوراً نام کا مقناطیسی اثر ان کو اپنا نشانہ بنائے گا۔ اور وہ متوجہ ہونے کے لئے مجبور ہوں گے۔ اور جہاں اُن کی توجہ ہوئی۔ اُن کے اثرات کی دھاریں تم تک پہنچیں گی اور پہنچے بغیر نہ رہ سکیں گی تم جس کو کچھ دیتے ہو۔ اُس سے کچھ لیتے بھی ہو۔ تبادلہ اور معاوضہ کا قانون قدم قدم پر یہاں کام کرتا ہے جو دے گا وہی لیگا۔ جو نہ دیگا وہ کیا لیگا اگر محبت دیتے ہو۔ محبت ملے گی۔ اگر کدورت دیتے۔ کدورت پاؤ گے۔ بڑی سیدھی بات ہے۔ اس لئے آپ کا شناپ نام لینے سے اتنا فائدہ نہیں ہوتا جو ہو سکتا۔ منزل در منزل کا پتہ جان لے لو۔

تب نام کا سمرن کرو۔ تاکہ اسی وقت اس کا پھل ملے۔ بغیر نشانہ کا تیر ہوا میں اُڑ کر فضول ثابت ہوتا ہے۔ نشانہ تاک کر جو تیر مارا جائے گا۔ اس کا کچھ اثر ہوگا۔ ممکن ہے پہلے تیر خطا کرے۔ مگر مشاقی کی عادت سے کبھی نہ کبھی نشانہ پر لگ ہی جائے گا۔ اور اگر یوں ہی کام ہوتا ہے۔ تو خطرہ ہے بے نتیجہ کے کام سے تم خود گھبرا کر اس کو چھوڑ بیٹھو گے۔ اور کوئی فائدہ نہ حاصل ہوگا۔ عمریں گذر جاتی ہیں۔ زندگیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ نام لیتے لیتے انسان تھک جاتا ہے۔ اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اس میں قصور کس کا ہے۔ جو فضول کام کرے گا ناکامیاب رہے گا۔ جو مقصد کی طرف نگاہ رکھ کر کام کرے گا کامیاب ہوگا۔ سنت مت میں اس لئے ست سنگ کرا کر مقام کی ماہیت سمجھا دی جاتی ہے تب ابھیاس بتایا جاتا ہے اور ابھیاس کرتے کرتے خود بخود نئی نئی قابلیتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ابھیاسی جانتا ہے کہ اس کی محنت بارآور ہو رہی ہے۔ اور اس کو تکان اور ناکامیابی کا خوف نہیں رہتا۔ باتیں تو پہلے ہی سب بتا دی جاتی ہیں۔ ہم بھی تم کو سارا رمز کھول کھول کر جتا رہے ہیں۔ مگر جب تک تمہارا اپنا انبھو نہ اُبھرے اور خود تم حقیقت کو نہ دیکھ لو۔ تب تک ہم کبھی بھول کر بھی تمہارا اعتبار نہ کریں گے۔ چاہے اور کوئی اعتبار کر لے مگر ہم نہیں مانیں گے اعتبار اُس وقت البتہ ہوگا جب تم اپنی نگاہ سے ہماری تعلیم کا جوہر خود دیکھ لوگے اور جہاں انبھو شکتی بڑھی

اور راہ پر آ گئے۔ یقین کا کوئی درجہ حاصل ہو گیا۔ اُس وقت اعتبار کیا جائے گا۔ اور مخالف خیالات کے جھکولے تم کو کبھی بھی گمراہ نہ کر سکیں گے سنت مت میں یہ بات سب کو سنا دی جاتی ہے۔ گورو نانک جیو کی گورو بانی ہے:-

جب تک دیکھو نہ اپنے نینا ٭ تب تک مانو نہ گورو کے بینا

تم کیا جانتے ہو ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ ہمارا کہا ہوا۔ جب تمہارا اپنا انبھو ہو جائے۔ تب بیشک بات ہے یوں تو دُنیا میں باتوں اور لفظوں کا ڈھیر ہر جگہ موجود ہے۔ اس لئے پہلے عقل کی ترازو پر تولتے چلو۔ پھر اس کو اپنا کرو۔ جب وہ تمہارا اپنا ہو گیا۔ تم بھی خوش اور ہم بھی خوش۔ ہمارے کہنے کا کچھ نتیجہ ہُوا۔ اور تمہارے پڑھنے اور کرنے کا بھی نتیجہ ہوا۔ ہے

لینا ہو سو جلد لے کہی سُنی ست مان
کہی سُنی جگ جگ چلے آوا گون بندھان

اب آخری بات اس پیغام کی یہ ہے کہ نام کس طرح لیا جائے یہ بات گورو سے حاصل ہوتی ہے۔ یہاں ایک صوفی کا کلام ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اُس سے خود بخود وضاحت ہو جائے گی:۔

امر ربی ست روح و سر خدا ست ذکر بے کام و بے زبان او راست

ترجمہ:- روح خدا کا حکم اور اس کا بھید ہے۔ اُس کا ذکر تالو اور زبان کے بغیر ہوتا ہے۔

بات تو سب کچھ کہہ دی جاتی ہے اور کہہ دیگئی ہے۔ مگر شبد ابھیاسی گورو کی زبان سے سننے پر اُس کا مقناطیسی اثر کچھ اور ہی کام کرتا ہے اور وہ جیوں کا تیوں دل میں اُتر جاتا ہے۔ دوسروں کی زبان اور قلم سے اُس کا نتیجہ کچھ اور کا اور ہوتا ہے۔ سبب یہ ہے کہ وہ اس کی کمائی کرتا ہے جس نے نام کی کمائی کی ہے اور عامل ہے اس کا کلام کچھ اور ہوتا ہے اور جو شخص سنی سنائی اور کہی کہائی بات کرتا ہے اس کا کلام کچھ اور ہوتا ہے ؞

چھبیسواں پیغام

دھیان

نام کے ساتھ روپ رہتا ہے۔ خواہ یوں سمجھو۔ روپ کے ساتھ نام رہتا ہے۔ مگر یہ بات ضروری ہے کہ نام ہمیشہ پہلے آتا ہے۔ اور روپ پیچھے آتا ہے۔ نام اگر نہیں معلوم ہے۔ تو روپ کو دیکھ کر بھی روپ والے کا پتہ نہیں لگتا ہے۔ نام اگر معلوم ہے تو اُس کی مدد سے روپ کی پہچان ہو سکتی ہے۔ یہ بات ہم دنیا میں دیکھتے ہیں یہی کیفیت سوکشم جگت کی بھی ہے۔

ہر اندری اپنے ٹکنے کا مرکز تلاش کرتی ہے۔ وہ مرکز اُس کو دھیان کی صورت میں ملتا ہے۔ یوں اناپ شناپ دھیان نہیں ہو سکتا دھیان جب ہوگا کسی صورت یا کسی مقام پر ٹھہرانے سے ہوگا۔

جو سرود یا پک کا دھیان کرنا چاہتے ہیں اُن کی کوشش رائگاں جاتی ہے یہاں سرودیاپک آکاش ہے۔ آکاش کی تو معمولی ذہن والوں کو سمجھ بھی نہیں آتی وہ تتو ہے۔ لوگ اس کو خلا اور وسعت سمجھتے ہیں۔ کہاں کیا۔ کہاں کیا۔ کیا مراد اور مطلب ہے اور کیا سمجھا جارہا ہے۔ اور پھر دھیان کیسے کیا جائے گا۔ شاید کوئی یہ جواب دے کہ غور و فکر کا نام دھیان ہے۔ آکاش تو تتو کا بچارتے رہنا دھیان ہے۔ ہم کو اس جواب سے تسلی نہیں ملتی نہ ہم اُس کو دھیان کہتے ہیں اور نہ دھیان سمجھتے ہیں۔ اگر اور کسی کو تسلی ملتی ہے اور وہ اس عمل کو دھیان کہتا ہے تو کہا کرے اور کیا کرے کسی سے لڑائی جھگڑا مول لینا مقصود نہیں ہے:۔

جس طرح نام شکتی خود بخود نامی کا تصور دلاتی ہے۔ اسی طرح روپ شکتی روپ والے کی خصوصیتوں کا تصور دلاتی رہتی ہے مثال کے طور پر یوں سمجھو کہ ایک لفظ مکان زبان پر آیا۔ دل میں مکان کا خیال پیدا ہوا۔ مکان کے روپ کے خیال کے آتے ہی اُس کے سراپا کا خیال خود بخود پیدا ہوتا ہے۔ اور جس طرح کا نقشہ ذہن میں سمایا ہے وہ من کے اندر پھرنے لگتا ہے۔ اور من اُس میں داخل ہونے کا خواہشمند ہوتا ہے۔ مکان آئیڈیل ہے آدرش ہے جس طرح ہے لفظ 'مکان' میں مکانیت کے جتنے اوصاف ہیں شامل ہوں گے اب آئیڈیل ہونے سے وہ وسیع معنی میں آگیا۔ فروعات کا جھگڑا

دُور ہے۔ آیڈیل۔ آیڈیا یعنی خیال ہی رہتا ہے۔ معراج بھی خیالی ہی ہوا کرتا ہے۔ جس میں کمی بیشی کرنا غیر ممکن ہے۔ کیونکہ وہ شے ہر پہلو سے مکمل ہوا کرتی ہے۔ اسی آیڈیل یا معراج کو اشٹ کہتے ہیں۔ اور اشٹ کا تصور نشٹھا کہلاتی ہے۔ اس لئے جس شے کا اشٹ باندھا جاتا ہے۔ خواہ تصور کیا جاتا ہے۔ وہ ابتدا میں چاہے جس نظر سے دیکھی جائے مگر وہ مکمل ہے۔ وہ مکان وزمان۔ وسعت و خیال دیش وکال سے پرے ہے۔ جس قدر نظر اُس پر ٹکتی جائے گی۔ آنکھ روحانی بنتی جائے گی اور اشٹ کا تصور بھی روحانی ہوتا جائے گا۔ قربت کا خیال پہلے اپنے دل سے نکلتا ہے۔ پھر جوں جوں وہ مقصود سے قریب ہوتا جاتا ہے۔ مقصود کے چھُو لینے یا اُس سے قریب ہونے پر اُس میں اُسی کے اوصاف آتے جاتے ہیں۔ اگر شروع میں کچھ کمزوری رہتی ہے تو وہ دور ہو جاتی ہے۔ اور اُس سے ہم رشتہ ہو کر مضبوطی حاصل کرتی جاتی ہے۔ اور اس کی لطافت اور پاکیزگی کی وارث ہوتی جاتی ہے۔ اور آخر میں اُس سے مل کر ایک ہو جاتی ہے تب دوئی جدائی اور اختلافات کی حالت کا خاتمہ ہو جاتا ہے +

عمل اس طرح ہوتا ہے۔ تم نے ایک آدمی کا نام سُنا۔ اُسکے نسبت قیاسی خیال پیدا ہوئے۔ اُس سے ملنے کے لئے گئے۔ آنکھوں سے اُس کا ظاہری روپ دیکھا۔ پھر ظاہری روپ کی مدد سے اُس کے روپ کے اندر داخل ہوتے چلے۔ اگر اُس کے ساتھ ہمدردی ہے۔ تو اتحاد ہو گیا۔

اور اتحاد نے اُس کے اثرات کو تمہارے اندر داخل کر دیا۔ اور تم خود اُسی کے
روپ بن گئے۔ بعض آدمیوں کی نگاہ اتنی گہری ہوتی ہے کہ چہرہ پر نظر جاتے ہی
دل اُس کے دل کے اندر داخل ہو جاتا ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ یہ آدمی اس
خیال کا ہے ظاہری اور باہری رو ہو اس میں بھی کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے سمجھنے
والے اس کو سمجھ جاتے ہیں۔ کیونکہ حقیقت میں نگاہ چہرہ پر پڑتے ہی اندر
دھنستی ہے۔ چہرہ میں جذبات کا عکس ہوا کرتا ہے اُس کے دیکھنے سے ہی پتہ
لگتا ہے کہ وہ کس خصوصیت کا آدمی ہے۔ اور جب اُس کے ساتھ بھلائی
کا موقعہ ہاتھ آتا ہے تب دونوں کے دل کی دھاریں مل کر ہمدردی و محبت
کے قانون کے زیر اثر دونوں کو ملا دیتی ہیں۔ تجربہ کو شاہد ہونا چاہیے
کہ ہم عموماً بہت سے آدمیوں کو دیکھ کر ان کی طرف کھنچتے ہیں۔ چاہے
وہ اجنبی ہوں۔ ان سے ناواقفیت ہی کیوں نہ ہو مگر ان کی صورت
دیکھ کر ان کو پسند کرتے ہیں۔ برعکس اس کے ایسے آدمی بھی ہوتے ہیں
جن سے یونہی نفرت ہوتی ہے۔ انکی طرف دل کی کشش نہیں ہوتی اس میں
راز کیا ہے؟ راز یہ ہے کہ دل ناواقف ایک کے دل میں داخل ہو کر اپنی موافقت
اور ہم جنسیت کا سامان پاتا ہے۔ دوسرے میں اس سامان کو نہ دیکھ کر اُسکی
طرف سے منہ موڑ لیتا ہے۔ یہ بات اکثر بچوں میں بہت ہوتی ہے کیونکہ فطرتاً
اُن میں دلی بھلائی اور دلی وابستگی کا خمیر ہوتا ہے اسی طرح دھیان بھی اُسی کا
کیا جاتا ہے۔ کیا جا سکتا ہے اور کیا جانا ممکن ہے جس کے ساتھ بھی ہمدردی
سچا پریم اور سچی محبت ہوتی ہے۔ انشٹ سے ہر ایک کو محبت رہتی ہے۔ اگر محبت

رہتی ہے۔ اگر محبت نہ ہو تو دھیان غیر ممکن ہوتا ہے۔ راہ میں ایک بچہ کھیل رہا ہے دوسرا کسی کا لڑکا مل گیا۔ دید نہ شنید۔ دونوں ملگئے گلے ہیں باہیں پڑ گئیں۔ اب پہلا بچہ دوسرے کو اپنے گھر لاتا ہے اور اُس کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتا ہے بالکل اسی طرح اشٹ کے دھیان کا حال ہے۔ اشٹ کا ظاہری سروپ باطنی سروپ کا خیال دلانیوالا اور باطنی روپ کی طرف اشارہ کی انگلی اُٹھانے والا ثابت ہوتا ہے اور اسی جگہ لیجاکر پہنچا دیتا ہے جہاں اُس کا اصلی روپ ہوتا ہے۔ اُس میں واچ اور لکش دونوں کا شمول ہے۔ شروع شروع میں جسم سے اور جسم کی اندریوں کی مدد سے ملاپ ہوتا ہے پھر جسم و اندریوں کی طرف سے خیال ہٹ جاتا ہے دونوں مل جاتے ہیں۔ اور ملکر ایک روپ ہو جاتے ہیں۔ ملنے کا مقصد ہی یہی ہے :

مذہبی دھیان تو دور کی بات ہے۔ دنیا کی بیوپاری حالت کو دیکھو اُس میں بھی یہی نظارہ نظر آتا ہے۔ جہاں جی چاہے وہاں نظر جماؤ۔ ہر جگہ ایسی کیفیت دکھائی دیگی۔ ایک کم سن بچہ کو سانپ کے ساتھ محبت ہے سانپ اُسکی محبت کی دھار سے کھنچا ہے۔ بچہ اُس کے مُنہ کو پکڑتا ہے لوٹتا ہے گھسوٹتا ہے۔ مُنہ کو پکڑ کر اپنے مُنہ میں رکھنے کا خواہشمند ہے۔ رکھ بھی لیتا ہے۔ مگر نہ سانپ اُسکو کاٹتا ہے نہ اس کا نقصان کرتا ہے اور نقصان کیوں کرے کیونکہ دونوں کے دل ایک ہیں دونوں خیالی و دلی طور پر ہمجنس ہیں۔ دونوں میں ہمدردی ہے اصل میں دونوں ایک روپ ہیں ایک ذات ہیں۔ اپنی ذات کو کون نقصان پہنچاتا ہے۔ اسی طرح انسان کے بچے اکثر درندوں کی ماندوں میں پاسے گئے ہیں

اور باہمی ہمدردی کے تعلق کی وجہ سے درندے ان کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ جہاں پریم ہوتا ہے وہاں دوئی نہیں رہتی۔ اتحاد۔ وحدت۔ یکسانیت اور ہمدردی ہو جاتی ہے؛

دھیان میں بھی جس اشٹ کا تصور ہوتا ہے وہ بھی اپنی ذات ہوتا ہے اگر اس میں ایسا پریم نہیں ہے جو اپنی خاص ذات کے ساتھ ہوتا ہے تو وہ سچا اشٹ بھی نہیں ہے اور وہ پھل بھی نہیں دے گا۔ جہاں جھینپ۔ پردہ داری اور اختلاف ہو گا وہاں پریم نہیں ہو گا اس لئے بار بار کہا گیا ہے کہ سمجھ بوجھ کر اشٹ دیو سے تعلق پیدا کرو۔ جس اشٹ میں زیادہ گہری محبت ہے۔ اسی روپ سے کام اور اسی روپ کا دھیان رہے۔ تب تو فائدہ ہو گا ورنہ محنت رائیگاں جائیگی۔ اکثر تجربہ کار فقرا کسی کو اپنی استری کے پریم میں محو مفتون دیکھ کر اسی کے تصور کے عمل کی ہدایت کرتے ہیں۔ یہ صرف ابتدائی بات ہوتی ہے۔ مگر آپ جانتے ہیں۔ استری استری ہی ہے۔ اُسکا آئیڈیل استری ہی ہو گا۔ ایک درجہ روحانیت کا نصیب ہو جائے گا۔ اس میں شک نہیں مگر وہ سفلی درجہ ہو گا۔ اور نگاہ مشکل سے اوپر چڑھے گی۔ ہاں ہر بات میں مستثنیات ہوتے ہیں۔ مگر مستثنیات شاذ کہلاتے ہیں۔ "الشاذ کالمعدوم" شاذ اور مستثنیات کا یہاں ذکر نہیں ہے۔ اور اسی طرح بہت سے دھیان کے طریقے ہیں؛

سب سے اتم اور اچھا گورو کا اشٹ ہوتا ہے۔ اور تصوف کی تعلیم کا دارومدار گورو پر رہتا ہے۔ کیونکہ گورو کا آدرش دنیا میں سب سے اونچا سب سے بڑا اور سب سے مفید ہے وہ خالص روحانی ہے۔ اور اس میں جمعیت کا شمول ہے

جیسا اشٹ ہوگا ویسے ہی جذبات پیدا ہوں گے۔ اس لیئے اگر دھرم تک رسائی کا خیال ہے تب تو گورو کا اشٹ مقدم ہے اور یہ بات نہیں ہے تو جو چاہے وہ کرو۔ تم کو اختیار ہے:

دھیان کے ذیل میں کئی باتیں خیال کرنے کے قابل ہیں اور خیال کر کے تب کام کرنا چاہیئے:

نام انومان کا محرک ہے۔ نام لینے سے قیاس کی طاقت ابھرتی ہے اور وہ قیاس گھنا ہوتے ہی یقین کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ اس کو علم الیقین بولتے ہیں۔ جس کا جان کر بوجھ کر سمجھ کر یقین کیا جائے وہ علم الیقین ہے نام لینے سے کیا ہوتا ہے؟ سمرن سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟ علم الیقین کا فائدہ ہوتا ہے۔ نام روپ دکھانے کا ذریعہ ہے۔ ایک صوفی کے کلام سے اس کی مزید وضاحت ہوگی۔ وہ فرماتا ہے:

تامل در آئینۂ دل کنی ۔ ✤ ۔ صفائی بتدریج حاصل کنی
بدرد یقین پردہائے خیال ۔ ✤ ۔ نماند سراپردہ الا جلال

مطلب یہ ہے۔ دل میں غور کرو۔ غور و تامل سے دل کا آئینہ صاف ہوگا۔ آہستہ آہستہ صفائی آتی جائے گی۔ (اسوقت روپ نظر پڑے گا) خیالی پردوں کو یقین کی طاقت پاش پاش کر دیگی۔ پردے دور ہو جائینگے اور مالک کا جلال نظر پڑیگا۔

نام ذریعہ ہے روپ دیکھنے کا جس وقت نام لیتے لیتے روپ پر نگاہ پڑنے لگی۔ اس کا دھیان ہونے لگا۔ نام دھیان کا محرک ہے۔ اور جب روپ نظر پڑ گیا۔ اس کو اس طرح ساکشاتکار کر لیا۔ گویا آنکھوں سے دیکھا ہے۔

وہ عین الیقین کہلاتا ہے۔ عین آنکھ کو کہتے ہیں یہ پرمان ہے اندریوں کا علم پرمان کہلاتا ہے۔ یہ دوسرا درجہ ہے مگر ابھی تک اصلی منزل ہاتھ نہیں آئی۔ جب روپ کا دھیان کرتے کرتے وہ روپ اپنے اصلی روپ کو دکھانے لگا وہ حق ہوگا۔ اور جب وہ نظر آگیا اور دوئی کا پردہ ہٹ گیا تو وہی حق الیقین ہوگیا جس کا ذکر بھجن کے پیغام میں کیا جائے گا۔

تین باتیں ہوئیں۔ شبد۔ انومان۔ پرمان۔

ہونا چاہیے۔ پرمان۔ انومان۔ شبد۔ مگر یہاں یونہی بتلانا منظور ہے وہ یوں ہے۔ گورو سے شبد سنا۔ بغیر سنے ہوئے خیال کی رگ کو حرکت نہیں ملتی نہ کسی بات کا پتہ لگتا ہے۔ شبد سے یہاں مراد اس شبد سے نہیں ہے جو سنتوں کے یہاں "اناہت شبد" یا "انحد شبد" کہلاتا ہے۔ ابتدائی تعلیم شبد سے شروع ہوتی ہے۔ مذہبی دنیا کا خالق گورو ہے۔ بغیر گورو کی مدد کے ہم کو معلوم کیسے ہوگا کہ اصلیت کیا ہے۔ شبد میں نام ہے نام میں انومان اور قیاس ہے اور انومان کی چوٹی پر پرمان ہے۔ بات سنی غور کیا۔ نتیجے پر پہنچے۔ یہ تین درجے ہیں۔ سنا جاتا ہے گورو سے انومان کیا جاتا ہے دل سے اور پرمان حاصل کیا جاتا ہے دلی آنکھ۔ دلی تحقیق اور دلی طاقت سے ہے۔

معمولی علم دنیا کا پرمان یعنی اندریوں کے گیان سے شروع ہوتا ہے پھر اسکی مدد سے بہت سی باتوں کا انومان کیا جاتا ہے۔ اور جب اس پر کسی اور کی شہادت یا گواہی ملتی ہے تب یقین میں پختگی آجاتی ہے۔ مگر مذہبی دنیا کی چال الٹی ہے۔ یہاں سب سے پہلے گورو کا شبد مقدم ہے۔ اور اسی پر انومان کا

جاتا ہے پھر دلی و عقلی ترقی کر کے اُس کو اندرونی آنکھ سے دیکھا جاتا ہے یہی پرمان ہے

دنیا پر ورتی ہے۔ مذہب نورتی ہے۔ ان دونوں میں یہ بھید ہے۔ اگر اس کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ تو پھر جھگڑا نہیں رہتا۔ اور اگر لفظوں پر اٹکے۔ تو جھگڑا بنا بنایا موجود ہے۔ سارے اندریوں کے گیان کو گورو کے شبد کے ماتحت بناؤ۔ سُنو۔ وہ کیا کہتے ہیں۔ پھر اس کو انومان سے سمجھو۔ یہ سمرن ہے۔ اور انومان کرتے ہوئے اندرونی اندریوں سے خاص کر آنکھوں سے دیکھو۔ یہ پرمان ہے جب تک خود نہ دیکھو۔ تب تک پرمان کا بھی پرمان نہیں ہے نہ اُس کی کوئی سند ہے۔ نہ اُس کی کوئی اہمیت ہے جب تک آنکھ سے نہ دیکھو۔ تب تک اُس کا اعتبار کیا ہے۔ یہ دھیان ہے۔ اور دھیان سے حاصل ہوتا ہے۔ ابھی آگے بھجن کا درجہ دور ہے ؛؛

ان کی تین صورتیں اور ہیں۔ شرون۔ منن۔ ندھیاس۔ شبد کا سُننا شرون ہے۔ سمرن کرنا منن ہے۔ دھیان کرنا ندھیاسن ہے۔ ان تینوں کے پرے ساکشاتکار ہے۔ جو بھجن سے حاصل ہوگا۔ شرون اور منن دونوں نام میں ہیں۔ ندھیاسن دھیان میں ہے۔ اور ساکشاتکار بھجن میں ہے ؛؛

اکثر نور یا روشنی کے دھیان کی ہدایت کی جاتی ہے وہ کسی حد تک درست ہے۔ مگر نور نور ہی ہے۔ روشنی روشنی ہی ہے۔ چاندنی میں چور چوری کرتا ہے۔ جواری جُوا کھیلتا ہے۔ وہ کسی کو باز نہیں رکھ سکتی۔ اس لئے سچا دھیان گورو کا ہونا چاہئے۔ تاکہ آگے راستہ کھلے۔ الکا ؤنہ ہونے پائے۔ گورو ہڈی چمڑے کا مجموعہ نہیں ہے۔ وہ کوئی اور ہی شے ہے۔ جو ان سب سے پرے ہے۔ اس کا اصلی روپ تمھارے اندر ہے۔ اندر ہی اُس کا دھیان ہوتا ہے۔ اور اُس دھیان کے درجہ کے حاصل ہونے سے نئی نئی قابلیتوں کی دھاریں اندر ہی اندر پھرتی ہیں۔ اور وہ ساکشاتکار کا درجہ بخشتی ہیں۔

جب نام لیا۔ تب نامی کی تلاش ہوئی۔ اسی تلاش کا نام دھیان اور تصور ہے۔

اسم را خواندی مسمّے را بجو ۔ مہ بہ بالا داں نہ اندر آب جو

اب غالباً کچھ کچھ دھیان کی سمجھ آگئی۔ اس لئے اب ہم دوسرے پیغام میں تم کو بھجن اور بھجن کی اصلی مراد سمجھانے کی کوشش کریں گے۔

... ٭٭٭ ...

پچیسواں پیغام

بھجن

جو کام نام نے دیا۔ وہی دھیان نے دیا۔ نام من میں قائم ہوا۔ من سے چت کی برتی دھار روپ ہو کر نکلی۔ روپ میں جا کر ٹھہرنے کا جتن کیا۔ جس وقت اس میں ٹھہری۔ فوراً اس جگہ سے شبد کی دھار پرگٹ ہوئی اس شبد کا سننا بھجن کہلاتا ہے۔

شبد سرشٹی میں ہر جگہ مختلف روپ کے ہیں۔ کیونکہ ہر جگہ کسی نہ کسی شکل کی حرکت ہے۔ اور حرکت سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ مگر ہر شخص ہر آواز کو نہیں سن سکتا۔ تم نے چیونٹیوں کی طرف انگلی کی۔ انگلی کرنے یا دکھانے میں شبد ہے۔ تم اس شبد کو نہیں سن سکتے۔ مگر چیونٹی سن سکتی ہے۔

آنکھ اس چیز کو دیکھ سکتی ہے۔ جو آنکھ کے موافق لطیف کی ہو۔ کان اسی شبد کو سن سکتا ہے۔ جو کان کے موافق لطیف ہو۔ اگر وہ کم ہے یا زیادہ لطیف یا زیادہ کثیف ہے تو وہ سنا نہیں جائیگا جس طرح باریک چیز پکڑنے کے لئے باریک اوزار ہونا چاہئے۔ اور موٹی چیز کے لئے موٹا اوزار ہونا چاہئے۔ اسی

طرح لطیف شبد سننے کے لئے لطیف کان اور لطیف شے کے دیکھنے کے لئے لطیف آنکھیں ہونی چاہئیں۔ قلم چل رہی ہے ہم کو آواز نہیں معلوم ہوتی۔ لیکن اگر کوئی لطیف اوزار قلم کے ساتھ لگا کر کاغذ کی سطح پر اس کو حرکت دیجائے تو کان میں اس لطیف اور طاقتور اوزار کی وجہ سے خاص قسم کی طاقت آجائیگی اور وہ اس کو سن لے گا۔ اور تعجب کرنے لگا۔ اسی طرح آنکھ بہت دور کی چیز کو نہیں دیکھ سکتی۔ لیکن اگر کوئی لطیف اور زیادہ طاقت کا شیشہ آنکھوں سے لگایا جائے۔ تو وہ دور کی شے کا اندازہ کر سکیگی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جب تک اندریوں کو کسی خاص طبقہ کے ساتھ ہم آہنگ موافق ہونے کا سامان نہ ہو تب تک وہ اس طبقہ کے مناظر دیکھنے اور وہاں کی آواز سننے کے قابل نہ ہونگی۔

آواز تو ہر جگہ ہو رہی ہے۔ رنگ رنگ اور قسم قسم کی آواز ہے۔ کیونکہ حرکت کی دھار ہر جگہ رواں ہو کر اس کو زندگی دے رہی ہے۔ اور اس کی حرکت کی وجہ سے آواز ہے مگر ہر آواز کے سننے سے اتنا روحانیت کا فائدہ نہیں ہوتا۔ اگر آدمی کو قدرتی کے شبد کو سننا چاہتے گا۔ تو مادہ کا اثر میں بھی پیدا ہو گا۔ اس لئے جہاں سنت مت میں اندرونی

آواز سننے کا حکم ہے۔ ساتھ ہی اس آواز کے مرکز اس کی خاص دھار اور اس کی خصوصیت کا لحاظ رکھکر سننا ہوتا ہے۔ ممکن ہے۔ بہت سی آوازوں کا میل ہو۔ سب آوازوں میں سے صرف اس آواز کی چھن کو چھانٹ لینا چاہئے۔ جس کی تعلیم دی گئی ہے۔ باقی اوروں کو ترک کر دینا چاہئے۔ ورنہ فائدہ نہ ہوگا۔ جہاں اور جس طبقہ کی آواز ہو گی وہ وہاں کا اثر اور خواص رکھتی ہو گی۔ اور اگر کسی نے بلا سمجھے بوجھے اس کو دل دیا۔ تو وہ خاص حالت۔ خاص اثر۔ خاص نتیجہ کی پیدا کرنے والی ہے۔ اوپر سے جو شبد آتے ہیں وہ لطیف ہوتے ہیں۔ شانتی دیتے ہیں۔ ادھر ادھر کے شبد گمراہ کرتے ہیں۔ بعض شبد ابھیاسی جو بغیر گورو ست بھید لئے ہوئے ابھیاس کرتے ہیں۔ اپنی غفلت کا نتیجہ بھوگتے ہیں۔ ایسے منہ کے بل گرتے ہیں کہ پھر سنبھلنا دشوار ہوتا ہے اور پھر چڑھائی کے قابل نہیں رہتے۔ کیونکہ یہ اصول ہر شخص کو معلوم ہے کہ جو شخص جس طبقہ کی جس دھار سے تعلق جوڑے گا۔ اس کی لطافت اور کثافت کا وارث ہو گا۔ اگر شبد لطیف طبقہ کا ہے لطافت بخشے گا۔ اور اگر کثیف طبقہ کا ہے۔ تو کثافت دے گا۔ دنیاوی باسنائیں جاگیں گی۔ خواہش اور چاہ بڑھے گی۔ اور ابھیاسی مارا جائے گا۔ اس وجہ سے ضروری ہے۔ کہ کام سوچ سمجھ کر کیا جائے۔ سلطان الاذکار کا ایک شاغل

صوفی اس طرح ہدایت کرتا ہے۔

چرخ را در زیر پا آر اے شجاع ٭ بشنو از فوق فلک بانگ سماع
ہر ندائے کہ ترا بالا کشید ٭ آں ندا میداں کہ از بالا رسید
ہر ندائے کہ ترا حرص آورد ٭ بانگ گرگے داں کہ او عالم درد

اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان کو پاؤں کے تلے لا کر کان سے شبد کی دُھن کو سُنو۔ جو آواز تم کو اوپر کی طرف کھینچ لیجائے تو وہ عالم بالا کی آواز ہے۔ اور جو آواز حرص اور لالچ پیدا کرے۔ وہ ایسے درندہ بھیڑئے (شیطان) کی آواز ہے جو دنیا کو پھاڑ کھاتا ہے۔

یہی شبد جو ہمارے اندر گھٹ میں پیدا ہوتے ہیں دُھن آتمک نام کہلاتے ہیں اور سنت مت میں انھیں کی مہما ہے۔ یہ شبد دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک روحانی شبد۔ اور دوسرے دلی اور مادی۔ سابق الذکر اندر مکھی بناتا ہے دوسرا باہر مکھی بناتا ہے۔ ایک میں سمٹانے کی طاقت ہے۔ دوسرے میں بکھیرنے کی طاقت ہے۔ ایک میں مقناطیسی کشش ہے۔ جو توجہ کی دھار کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اور دوسری توجہ کو منتشر کر دیتی ہے۔ ستا اور زندگی کا اصلی جوہر سرت میں ہے۔ من اور مادہ اُس کی زندگی سے زندہ ہو کر خارجی عالم میں اپنی عاریت لی ہوئی ہستی کا

تماشہ دکھاتے ہیں۔ اس لئے سرت ہی مرکزی طاقت ہے۔
ایک روشن شمع کی مثال لیجئے لو۔ اصلیت اگر کہیں ہے تو اُس کے مرکز میں ہے۔ جس وقت شمع روشن ہوتی ہے۔ وہ کالے اور بھورے رنگ کے پردوں کو باہر پھینکتی ہے۔ یہ مایا اور من سے مشابہ کئے جا سکتے ہیں۔ اور سفید روشنی سرت سے مشابہ کی جا سکتی ہے۔ درشٹانت کا صرف ایک ہی انگ لینا چاہیئے۔ ورنہ سار کے گرہن کرنے میں دقت ہوگی۔

جو شبد جس طبقہ سے نکلتا ہے وہ اُسی کی لطافت اور کثافت کا خواص اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ اور جن پر اُن کا اثر پڑتا ہے۔ وہ اُس اثر کے جذب کرنے کی حیثیت کے مطابق اُس سے متاثر ہوتے ہیں۔ یوں سمجھو کہ مہربان اور ہمدرد مزاج انسان کی نگاہ اور کلام میں ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ وہ سننے والے کی حالت کو بدل دیتی ہے۔ کیونکہ اُن کی دھار خاص قسم کے طبقہ سے آتی ہے۔ اس طرح خوش تقریر واعظ کے کلام میں جادو کا اثر ہوتا ہے۔ اُس کا وعظ سُن کر ہم فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اُس کے من کی دھار اس جگہ سے ملی ہوئی ہے۔ جہاں اس قسم کے اوصاف ہیں ؎

شبد میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ باہری جگت میں بھی

بات سُنکر لوگ خودکشیاں کر لیتے ہیں۔ اچھی باتوں سے ٹوٹے ہوئے دل جُڑ جاتے ہیں۔ فقیروں کی باتیں سُنکر لوگ تخت و تاج چھوڑ بیٹھتے ہیں جو جیسا ہے اُس کی باتوں میں ویسا ہی اثر ہوتا ہے۔ جب خارجی دنیا کے باہری شبد میں یہ طاقت ہے۔ تو تم بآسانی سمجھ سکتے ہو۔ کہ اندرونی روحانی شبد کی طاقت کیسی کچھ ہوگی؟

جب ابھیاسی کو سمرن اور دھیان میں کچھ ترقی محسوس ہونے لگی۔ تو اُس کو اپنے اندر اندرونی شبدوں کو سُننا چاہیئے۔ جو دماغ کے خاص خاص مرکز سے برآمد ہوتے ہیں۔ وہ اُس کو اندر کی طرف کھینچیں گے۔ اور وہاں اُن سے گیان کے کوندے نظر آئیں گے۔ جس کو دیکھ کر وہ حیران ہو جائیگا۔ وہ خود بخود ابھیاسی کو اپنی طرف راغب کرلیں گے۔ وہ اس قدر اُن میں محو ہوگا کہ اپنی ارد گرد کی دنیا کو بھول جائیگا۔ اندرونی روحانی نغمہ بہت ہی دلکش اور بہت ہی دلفریب ہوتے ہیں۔ مولانا روم کہتے ہیں:-

گر بگویم شمۂ زاں نغمہا　　مُردہ ہا سر بر زنند از دخمہ ہا
گوش را نزدیک کن کاں دور نیست　　لیکن ایں گفتن بہ تو دستور نیست

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان نغموں کی ہم تھوڑی سی بھی صراحت کریں۔ تو مُردوں کی روح قبر کو چاک کر کے باہر نکل آئے۔

کان کو نزدیک کرو۔ وہ تم سے دُور نہیں ہے۔ لیکن اس طرح کہنے کا دستور نہیں ہے۔

جس طرح سمرن۔ دھیان اور بھجن ابتدائی طبقہ سے شروع کر کے ختم کیا گیا ویسے ہی عمل دوسرے طبقہ پر بھی کرنا ہوتا ہے۔ ہاں اس کی شکل دوسری ہوتی ہے۔ کیونکر سُرت جس قدر اوپر چڑھتی جائیگی۔ اُسی قدر وہ لطیف ہوتی جائے گی اور اُسی قدر وہ عروج حاصل کرنے کے قابل بنے گی۔ وعلیٰ ہذالقیاس ؛

شرون منن ندھیاسن اور ساکشاتکار تمام طبقوں میں کرنا پڑتا ہے۔ پنڈ میں پنڈی من تین اندریوں کے ساتھ کرتا ہے۔ برہمانڈ میں وہی سوکشم ہو کر سوکشم اندریوں سے کرتا ہے۔ روحانی طبقہ میں روح عروج حاصل کر کے جب اعلیٰ پد۔ پرم تتو۔ نج دھام۔ اور رادھا سوامی بھنڈار میں داخل ہو جاتی ہے۔ تب اُن کی ضرورت نہیں رہتی۔ شبد۔ سار شبد میں واصل ہو کر کال کے چکر سے پرے پہنچ جاتا ہے۔ جہاں نہ غور ہے۔ نہ فکر ہے۔ نہ بچپن ہے۔ نہ بندگی ہے ؛

جاپ مرے اجپا مرے انحد بھی مر جائے
سُرت سمانی شبد میں تاہی کال نہیں کھائے

وہ کیا ہے؟ کہنے میں نہیں آتا۔ جو ہے وہ ہے۔ اس سے زیادہ کہا نہیں جاتا۔ اور نہ کچھ کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ وہاں وچار نہیں جاتا؀

پچیسواں پیغام

شبد

شبد کیا ہے؟ شبد آکاش کا گن۔ آکاش کا جوہر اور آکاش کا سوکشم روپ کہا گیا ہے۔ شبد اس سے بھی زیادہ کچھ اور ہے۔ حقیقت میں وہ رچنا میں سب سے پہلا اور سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور کوئی ستھان ایسا نہیں ہے۔ جہاں وہ شبد نہ ہو۔ وہ رچنا کی جان ہے؀

سنتوں کے مذہب میں اسی وجہ سے شبد کی تعریف کی گئی ہے۔ اور جہاں جہاں تصوف کی تعلیم ہو گی۔ وہاں وہاں اُس کا گیت گایا جائے گا۔ یہ سب کچھ ہے۔ اور سب کچھ اُسی کے آدھار پر ہے۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ جہاں حرکت ہوتی ہے۔ وہاں شبد ضرور ہوتا ہے جہاں مثبت اور منفی دو اشیا ایک دوسرے سے ملیں گی۔ اُن کا ملنا شبد سے خالی نہیں ہو گا۔ شبد کے بغیر کوئی حرکت نہیں ہوتی۔ لیکن اگر غور کے ساتھ وچار کیا جائے تو حرکت کا باعث بھی شبد ہی ہے۔ جب یہ گیت

حالت میں رہتا ہے۔ تب اناام کہلاتا ہے۔ اور جب پرگٹ ہوتا ہے تب شبد کہلاتا ہے۔

سار بچن رادھا سوامی نظم میں اس کے متعلق یوں کہا گیا ہے

چوپئی

سب کی آد شبد کو جان ۔ الکھ سبھی کا شبد پچھان
تین لوک اور چوتھا لوک ۔ شبد رچے یہ سبھی تھوک
شبد سُرت دونوں دھار سمان ۔ پہنچی اناامی کے یہ پران

....

شبد گپت تب رہا اناام ۔ شبد پرگٹ تب دھرا نام
نام اناام شبد پہچان ۔ شبد بنا کیسے ہو سنکیا

....

شبدی کا رنگ شبدی کا راج ۔ شبد رچا یا سگلا ساج

....

شبد سُرت سُرت سے شبد ۔ شبدی ست نام ست شبد
اوم شبد نرنجن شبد ۔ پربرہم شبد اور مایا شبد
اوت پوت بول شبدی شبد ۔ اونچ نیچ دو دھام شبدی شبد

....

شبدی بھوگ شبدی سوامی ۔ شبدی گھٹ گھٹ انترجامی

....

شبد گورو اور شبد ہی داس * شبد بنا جھوٹی سب آس
شبد ہی مچھلی شبد ہی نیر * شبد بکھانیں ست کبیر
شبد بتاویں نانک پیر * شبد لکھاویں تلسی دھیر

......*......

شبد شاہ اور شبد وزیر رادھا سوامی کہیں سنو بیر بیر

کوئی مذہب ایسا نہیں ہے۔ جو شبد کی مہما کا راگ نہ گاتا ہو۔ ویدوں میں شبد کو برہمہ کہا ہے۔ مسیح کے ایک انجیل کے افتتاحی آیتوں میں آیا ہے۔

"شروع میں شبد تھا۔ شبد ہی مالک تھا۔ شبد مالک کے ساتھ تھا۔ اسی نے سب پیدا کیا" وغیرہ وغیرہ

مسلمانوں میں بھی کہا جاتا ہے۔ کہ جس طاقت سے رچنا ہوئی وہ شبد ہی تھا۔ ایک صوفی کہتا ہے۔ اگر شبد نہ ہوتا تو یہ رچنا نہ ہوتی۔

گر نہ اظہار بودے آورد نام آواز ایں جہاں نہ بودے

ایک دو نہیں سینکڑوں اور ہزاروں حوالے دیئے جا سکتے ہیں۔ مگر چونکہ سب شبد کے ابھیاس سے خالی ہو گئے۔ اس لئے وہ اس راز سے بھی ناواقف ہو گئے۔ اور اب وہ شبد کی تاویل محض آواز کرتے ہیں۔ جو زبان سے برآمد ہوتا ہے۔ صرف سنتوں کے یہاں اس کی صراحت اور اصلی تعلیم کا اہتمام ہے

باقی اور کسی کو اس کی اصلیت کی خبر نہیں رہی۔

یوں تو اگر غور سے دیکھا جائے تو خارجی اور ظاہری دنیا میں بھی ہر جگہ شبد ہی کا پسارا نظر آتا ہے۔ ایک کہتا ہے۔ دوسرا سُنتا ہے اور کرتا ہے۔ کہنے والے اور سننے والے خود بھی شبد مجسم ہیں۔ بغیر شبد کے ظہور کا امکان محال ہے۔ تمام علوم و فنون۔ فلسفہ اور سائینس صنعت اور حرفت وید کتاب۔ کرم دھرم۔ قانون آئین سب شبد ہی ہیں جتنے روپ دیکھے جاتے ہیں۔ سب شبد کے ہیں۔ اور سب شبد ہیں۔

پیدا ہونے پر ہمیشہ پُوچھا جاتا ہے کہ "بچہ نے شبد کیا یا نہیں"۔ اگر اُس نے آواز کیا تو زندہ ہے ورنہ مُردہ ہوتا ہے۔ زندگی شبد کے ساتھ ہے شبد سے الگ ہوتے ہی موت آتی ہے۔ انسان کا جسم شبد ہے۔ اور اُس کے رگ رگ ریشہ ریشہ میں شبد کا کاروبار ہو رہا ہے۔ کونسی جگہ ہے جہاں شبد نہیں ہے۔ شبد محیطِ کل ہے۔ اور شبد ہی جزو کل ہے شبد کو محدود معنی میں نہ سمجھنا چاہیئے۔ اگر وسیع معنی میں اس کو سمجھ لیا جائے تو سب کو اُس کی اہمیت اور بزرگی کا پتہ لگے۔

یہ شبد یوں تو ہر جگہ اپنا کام کرتا ہی ہے۔ مگر

سالکوں کے طریق میں بعض مقامات ایسے آتے ہیں۔ جہاں روشنی نظر نہیں آتی۔ ان موقعوں پر شبد ہی کام دیتا ہے۔ اور وہ منزل مقصود تک پہنچانے میں مددگار اور معاون ثابت ہوتا ہے۔ روحانی بات تو الگ رہی۔ یوں ہی نہ سمجھو کہ ایک مسافر راہ میں چلا جا رہا ہے۔ آسمان بادلوں سے گھرا ہوا ہے۔ ٹمٹماتے ہوئے ستارے تک بادلوں کے پردوں میں روپوش ہیں۔ سامنے بھی چراغ کی روشنی کا کوسوں پتہ نہیں۔ مسافر پریشان ہے وہ کیا کرے کیا نہ کرے آخر وہ کان لگا کر سنتا ہے۔ اگر کہیں کتے کے بھونکنے کی صدا سننے میں آ جائے تو وہ اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اور آواز کے رخ کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ اور آواز کی جگہ پہنچنے کا خیال کرتا ہے۔ کیونکہ کتے کی آواز سنکر اس کو خیال ہوتا ہے کہ آگے کوئی نہ کوئی بستی ضرور ہے۔ اور آواز کے سہارے چل کر وہ اس جگہ پہنچ جاتا ہے اور تب جان میں جان آتی ہے ؏

الغرض جو کچھ اندر باہر ہے وہ شبد ہی ہے دل کی دھڑکنوں کے دوارا جو دھار نکلتی ہے۔ وہ بھی شبد ہے تم سنو خواہ نہ سنو۔ کیونکہ جس وقت تک کان اس شبد کی طرح لطیف اور سوکشم نہیں ہو جاتے تب تک شبد کا

کیونکہ روح کی چڑھائی کا اور کہیں سوگم اور سہل سادھن سرشٹی میں نہیں ہے۔ آخر میں سب کو کسی نہ کسی طرح ادھر رجوع ہونا پڑے گا اس سے بچاؤ نہیں ہے۔ سنت مت کے ابھیاسیوں کو کسی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے کا حکم نہیں ہے۔ اور نہ ان کو خدائی ٹھیکیدار بننے کی ضرورت ہے اپنے کام سے کام رکھنا چاہیئے۔ اور بس ۔

جس وقت ابھیاسی نے ابھیاس شروع کیا۔ اُس کو بڑی محنت اور مستعدی سے اپنا کام کرنا چاہیئے تا کہ وہ جلد پہلی منزل کی حالت کا ساکشاتکار کر لے پھر تو جہاں اس کو اپنے اندر رس آنے لگا وہ اُس سے کبھی نہیں چھوٹے گا۔ ابھیاس ایسی جگہ کیا جائے جہاں شور و غل نہ ہو۔ بشرط ممکن ایک خاص جگہ مقرر کر لینی چاہیئے۔ اور جس وقت وہ اُس میں داخل ہو۔ سوا پریم بھگتی اور انوراگ کے دوسرے قسم کے خیالات دل سے نہ نکالے۔ کیونکہ پھر یہ خیالات جب اُس میں اپنا منڈل بنالیں گے۔ تو داخل ہوتے ہی اُن کے زیر اثر آنا پڑے گا۔ ابتداء میں احتیاط کی بڑی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ کمرہ صاف ستھرا رہے۔ سوا اپنے گورو سے

اور کسی قسم کی تصویر بھی وہاں نہ رکھنی چاہیئے۔ اور اگر اُس
میں بیٹھ کر مطالعہ کرنے کا شوق ہو تو کتابیں بھی صرف
سنتوں کی بانی کی ہوں۔ فضول قصہ کہانی نہ پڑھی جائے
کیوں ان سے بھی مختلف قسم کے خیالات کی دھاریں چل
سے پُھرنے لگتی ہیں۔ جس بات کے پڑھنے وچارنے اور
سُننے سے سنسنی پیدا ہو۔ اُس سے احتیاط رہے۔ کیونکہ
یہ یکسوئی میں خلل انداز ہوں گی اور چت کی ورتی کو
ایکاگر نہ ہونے دینگی یہ عمل دن میں کم ازکم دو مرتبہ صبح
اور شام ہونا چاہیئے۔ کھانا کھانے سے پہلے ابھیاس
کرنا چاہیئے۔ اگر رات کو وقت ملتا ہے۔ تو اُس کو اُس کے
علاوہ سمجھ کر کیا جاسکتا ہے۔ ساری بات چونکہ عادت
پر موقوف ہے۔ جتنا ابھیاس کو دل دیا جائے گا۔
اتنا ہی فائدہ ہو گا۔ گہرے ابھیاس کرنے سے اس
قسم کی عادت ہو جائیگی کہ وہ مجمع میں بیٹھا ہوا بھی
اپنی سرت کی دھار کو ایک مرکز پر متحد کر سکے گا۔ اور
دنیا کی پریشانیاں اس کو چنچل نہ بنا سکیں گی۔

کھانا کھایا جائے۔ اگر کوئی شخص پاؤ بھر کھاتا ہے
تو اس کو صرف تین چھٹانک کھانا چاہیئے۔ گوشت
و شراب سے قطعی پرہیز رہے۔ اور غذا سادہ زود ہضم ہو۔

زیادہ مُرغن غذا کھانے کی ممانعت ہے ؎
جس آسن پر بیٹھا جائے وہ گُر آسن کہلاتا ہے یہ پہلے ہی دن ابھیاسی کو بتا دیا جاتا ہے۔ اس سے چت بہت جلد ایکاگر ہوتا ہے۔ لیکن اس آسن کے متعلق زیادہ تاکید نہیں ہے۔ جس میں سہولیت و آسانی ہو اس پر بیٹھے۔ بشرطیکہ اور آسن پر بیٹھنے سے وہ عمل کو آرام سے کر سکے۔ سانس کے روکنے کی طرف خیال نہ کرے۔ کیونکہ وہ غیر ضروری ہے۔ اگر ابھیاس میں خود بخود سانس رک جائے۔ اور نسیں اور ناڑیاں و ہاتھ پاؤں شون ہونے لگیں۔ تب بھی کوئی فکر نہ کرے۔ اور نہ ان کی طرف خیال دے خیال ہمیشہ چڑھائی کی طرف دینا چاہیئے۔

ابھیاس میں چند خطرات بھی ہیں جن کا ذہن نشین کرا دینا ضروری ہے اول نیند کی حالت کو اپنے اوپر کبھی غالب نہ آنے دے چت کے یکسو ہونے پر نیند اکثر آ جاتی ہے۔ اگر نیند کا غلبہ ہونے لگے تو ابھیاس کو ترک کر دے۔ ذرا ٹہل قدمی کرے۔ اور پھر چست و چالاک ہو کر ابھیاس میں بیٹھے سنت مت میں نیند اسمادھی کا نشید ہے۔ اگر اس پر قابو نہ ملے گا تو وہ ترقی میں بادھک ہو گی ؎

آکار صرف وہ شئے جس کی بناوٹ ہوتی ہے۔ جسم میں

ہر جگہ کثرت سے شبد پیدا ہوتے رہتے ہیں - بعض نیچے کی طرف مائل کر دیتے ہیں اس لئے دُھن کو چھانٹ کر ان کی طرف توجہ دینا ہے ۔

ساری بات گورو دوارا ابھیاس سے پہلے بتا دی جاتی ہے اُس کا دھیان رکھنا چاہئے - مگر ہم یہاں پر چند باتیں لکھ دیتے ہیں - جن کا جاننا ابھیاسی کے لئے ضروری ہے - ان کا بھی ٹھیک ٹھیک پتہ گورو مکھ دوارا ملے گا ۔

جس وقت ابھیاس کیا جاتا ہے - سرت کی چال خاص خاص مقام پر خاص خاص طرح کی ہوتی ہے کہیں وہ چیونٹی کی چال چلتی ہے اس کو پپیلکا مارگ کہتے ہیں - کبھی وہ پرند کی چال اُڑتی ہے - اس کو وہنگم مارگ بولتے ہیں کبھی وہ بندر کی طرح چھلانگ مارتی ہے یہ کپی مارگ ہے - بعض مقام ایسا آتا ہے کہ اس کو اپنے اندر سے حسب تعلیم مرشد شبد کی دھار پیدا کر کے اُس پر سوار ہو کر مقام مخصوص تک پہنچنا ہوتا ہے - یہ مکڑی کی چال کہلاتی ہے - کیونکہ کسی کسی مقام پر شبد گپت ہوتے ہیں ۔

جیوں جیوں ابھیاس میں ترقی ہوگی تیوں تیوں خیالات میں مضبوطی اور سنت مت کے متعلق عقیدہ میں دِرڑھتا ہوتی جائیگی - جن کو چڑھائی کا موقعہ نہیں ملا ہے

اور جنھوں نے اپنے اندر کچھ ساکشاتکار نہیں کر لیا ہے۔ ان کا بھروسہ نہیں ہے۔ یہ مارگ باتیں بنانے کا نہیں ہے یہ کرنی کا مارگ ہے۔ جو کرنی کرے گا۔ اس کے کچھ ہاتھ آئے گا۔ جو کرنی نکرے گا وہ محروم رہے گا۔ ایک مرتبہ جسنے ذرا بھی کمائی کر لی۔ اُس کے لئے آگے کا راستہ طے کرنا آسان ہو گا۔ اور جو یوں ہی باتوں میں پھنس کر اپنا وقت ضائع کرتا رہا۔ تو وہ ڈھیلے کی طرح اِدھر کا اُدھر اور اُدھر کا مارا اِدھر گیا۔ اور برابر لڑھکتا رہا۔ ست پُرش رادھاسوامی دیال فرماتے ہیں۔

"یہ کرنی کا بھید ہے۔ ناہیں بدھ بچار
کتھنی چھوڑ کرنی کرو تب پاؤ کچھ سار"

اٹھائیسواں پیغام

سنت مت کی تثلیث

سنت مت کی تین باتیں مقدم ہیں۔ ست نام ستگورو اور ست سنگ۔ ان ہی کا تعلق سمرن دھیان اور بھجن سے ہے۔ سمرن ہیں ست نام ہے۔ دھیان ہیں ستگورو ہیں۔ بھجن ہیں ست سنگ ہے۔ جب تک ان تینوں سے

سمبندھ نہیں کیا جاتا۔ کام نہیں بنتا ؛
نام ست ہو۔ گورو ست ہوں ہو تب ست سنگ تب فائدہ ہوتا ہے یہ تثلیث ہر تصوف کے شاخ میں ملے گی۔ چاہے اُس کی صورت کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ اور جس جگہ تعلیم کا اہتمام ہوگا۔ ان کی ضرورت محسوس ہوئے بغیر نہیں رہے گی ؛

ان تینوں کی دو شکلیں ہیں ایک ظاہری دوسری باطنی ؛

نام باہر بھی ہے۔ اندر بھی ہے۔ گورو باہر بھی ہیں۔ اندر بھی ہیں۔ سنگ باہر کا بھی ہونا چاہئے اور اندر کا بھی۔ بلکہ مخصوص ابتداء میں تو باہری کاروبار سے تعلق رہتا ہے۔ اگر اس سے رشتہ نہ جوڑا جائے۔ تو اندرونی حالت کی خبر بھی نہیں ہو سکتی اس لئے دونوں ہی لازمی اور ضروری ہیں ؛

نام حقیقت میں قانون ہے جس کے سہارے نظام کائنات کا کام ہو رہا ہے جس نے اُس کے ساتھ تعلق پیدا کیا وہ ہم آہنگی اور موافقت کے راز کو سمجھ کر جس وقت اندرونی یا بیرونی جگت سے ہم آہنگی کریگا اُس میں شانتی اور آنند آوے گا جو اس سے غافل

ہے وہ آنند اور شانتی سے محروم ہے*
یہ نام گورو سے ملتا ہے۔ اس کا باہری علم ظاہری گورو سے حاصل ہوگا۔ اور جب نگاہ اندر کی طرف گئی۔ گورو کا اصلی روپ وہاں نظر پڑے گا۔ اور اُن کے شبد سروپ میں سرت کے متحد ہونے سے ست سنگ کی باطنی عظمتیں آئیگی*

سنتوں کا علم ہے کہ جب کبھی دنیا میں سنت پرگٹ ہوں۔ جیؤں کو اُن کی شرن میں جاکر روحانیت کا اکتساب کرنا چاہئے کیونکہ روحانیت کی اصلی تعلیم صرف اُسی وقت حاصل ہوتی ہے۔ اور ان کا ظہور بھی ایسے آدمیوں کے لئے ہوتا ہے جن میں روحانیت کی زبردست پیاس اور خواہش ہوتی ہے۔ وہ اُن کے مرکز ہوتے ہیں اور ان کی دیا اُن پر رہتی ہے باقی اور لوگ بھی سنتوں کے چرنوں میں حاضر ہو کر اُن سے فائدہ اُٹھائیں۔ یہ دوسری بات ہے*

باہری ست سنگ ایک قسم کے مدرسہ کا کام دیتا ہے۔ جس کے اوستاد سنت ہوتے ہیں۔ سنتوں کی صحبت اور قربت ہی کا نام ست سنگ ہے کیونکہ وہ ست مجسم ہوتے ہیں۔ ان کا سنگ ست سنگ کہلاتا ہے

اور اس ست سنگ کے اثر سے یوں بھی دل میں نام کی مہما پرکٹ ہوتی ہے؛

صحبت کا اثر دنیا میں یوں بھی گہرا پڑتا ہے۔ اگر دنیا کے آدمیوں کی صحبت اس طرح اپنا اثر پیدا کرتی ہے۔ تو پھر سنتوں کے اثر کا کیا کہنا ہے۔ اگر وہ اتفاق سے یا خوش قسمتی سے میسر آجائے تو اس کو بہت بڑی دولت سمجھنا چاہئے؛

سنتوں کی پہچان سے متعلق چند باتیں یہاں لکھ دی جاتی ہیں ان کو ذہن میں رکھنے سے فائدہ ہو گا؛

(۱) ان کی زندگی خالص روحانی زندگی ہوتی ہے اس کے ہر پہلو سے عملی ایثار نفسی کا خود بخود اظہار ہوتا ہے؛

(۲) ان کی باتوں میں خاص قسم کی بجلی کا اثر ہوتا ہے اور وہ اپنے اثر سے خالی نہیں رہتے؛

(۳) ان کی زبان اتنی سہل۔ صاف اور زمانہ کے موافق ہوتی ہے کہ ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے۔ اینچ پیچ کا نام و نشان نہیں جو بات ہے صاف اور سہل؛

(۴) ان کے کلام کے سننے سے ایک طرح کی روحانیت

آتی ہے اور روح کا اپنے اندر کھچاؤ ہونے لگتا ہے ٭
جب وہ گھٹ کا بھید سناویں ٭ من اور سرت گگن کو دھاویں
نگر گشاید او سر انباں راز ٭ جاں بہ سوئے عرش سازد ترکِ تاز
(۵) اُن کی آنکھیں چمکتے - روشن - اور پیشانی کشادہ ہوتی
ہے - یہاں تک کہ پتلی کے کنارہ کا حصہ بھی آئینہ کی طرح
صاف ہوتا ہے ٭
نظر را از چشم و از سیمائے او ٭ مے شناسد ہر کہ دار و رنگ بو
سادھ کا فرق آنکھ اور ماتھا ٭ ست کا نور رہے جس ساتھا
(۶) وہ ہمیشہ انسان کا ادھکار دیکھ کر تعلیم دیتے ہیں -
اور جس خیال کا آدمی ہے - اُس کو اکثر اسی خیال سے
سمجھا کر سنت مت کا معتقد بناتے ہیں ٭
(۷) اُن کے یہاں ذات پات رنگ روپ کا امتیاز
نہیں رہتا - نیچے سے نیچے ذات کا آدمی بشرطیکہ ادھکاری
ہو - قبول کیا جاتا ہے ۔ اونچے ذات کے عجائب
پسندوں کو کبھی کبھی چرنوں میں لگانے سے انکار بھی
کر دیتے ہیں ٭
(۸) وہ یوں ہی صرف زبانی ہی تعلیم نہیں دیتے -
بلکہ اندرونی طور پر روحانی مدد دیا کرتے ہیں - اور
چاہے مرید کتنے ہی دور فاصلہ پر کیوں نہ ہو - جو

چرنوں میں سچائی کے ساتھ آیا۔ اس کی سنبھال دور رہتے پر بھی ہوتی رہتی ہے؛

شیخ افغان است و بے آلت چو حق ؛ با مریداں داد بے گفتن سبق
دست پیر از غائیاں کوتاہ نیست ؛ دست او رجز قدرت اللہ نیست
مرد را دستِ دراز آمد یقیں ؛ برگذشت از آسمان ہفتمیں

(۹) اکثر سچے ادھکاریوں کے کام بنانے کے خیال سے وہ اپنی ذات میں کوئی نہ کوئی ایسی بات پیدا کر لیتے ہیں جو دنیا داروں کی نگاہ میں مکروہ ہوتی ہے۔ مگر پرمارتھی کا کام بناتی ہیں؛

پر یہ بات بڑی اتی جھینی ؛ سنت کرا دیں نند یا اپنی
نند یا چوکیدار بٹھائی ؛ کوئی جیو دھنسنے نہیں پائی
برلا جیو ہوئے الوراگی ؛ نند یا سے جو چھن چھن بھاگی
نند یا سن سن چت نہیں لاوے ؛ سنتن کی وہ جگت کماوے

(۱۰) ان کے ست سنگ میں بہت سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ان کی باتوں کو غور کے ساتھ سننے پر سارے شکوک خود بخود رفع ہو جاتے ہیں؛

(۱۱) وہ کبھی کبھی باطنی طور پر بھی تعلیم دیتے ہیں؛

ست پرش سم گورو کو جان ؛ بن جھیا کہیں بچن سجان

(۱۲) ان کے یہاں فروعات کا ذکر نہیں ہوتا۔ نہ وہ

تیرتھ ورت۔ مندر و مسجد میں پھنساتے ہیں۔ صرف بھجن کی ترکیب اپنے اندر سکھاتے ہیں اور جسم انسانی ہی کو مالک کا اصلی مندر بناتے ہیں؛

(۱۳) چونکہ سنتوں کا ظہور پرمارتھیوں کے لئے ہوتا ہے ہر قوم و ملت کے آدمی ان کے پاس خود بخود کھچے چلے آتے ہیں اور وہ سب کو یکساں تعلیم دیتے ہیں۔ ان کی شریعت کی طرف دھیان بھی نہیں دیتے؛

ان کے سوا بہت سی پہچان وہ خود بخشتے ہیں اور سچے دیکھ ابھیاسی کا کام بناتے ہیں۔

بس نشانی ہا کہ اندر اولیاست ٭ خاص آنجاں را بود کو آشنا ست

حکم یہ ہے کہ جہاں اس قسم کی تعلیم کا سلسلہ نظر آئے طالب صادق کو وہاں جا کر اپنا کام بنانا چاہیے۔ اور باہر مکھی آدمیوں کی باتوں پر نہ جانا چاہیے۔ کیونکہ یہ اکاج کرنے والے ہیں۔ یہ حقیقت کو کیا سمجھ سکتے ہیں یہ عالموں کے غلام ہوتے ہیں۔ عالموں کی اصلیت سے ان کو خبر نہیں ہے۔ عالم اور عامل میں فرق ہوتا ہے۔ ایک باتیں بناتا ہے۔ دوسرا کمائی کرتا ہے۔ بات بنانے والے اور کمائی کرنے والوں میں فرق ہوا کرتا ہے۔ اگر جگیاسو کو اپنے اندر استحان کا سامان نہ ملے۔

تو اس کو ہدایت ہے کہ وہ گورو کی شرن نہ لے کیونکہ محض دیکھا دیکھی کام کرنے سے فائدہ نہیں ہوتا۔ اُلٹا نقصان ہوتا ہے۔ سنتوں نے صاف لفظوں میں ایسا حکم دے رکھا ہے ؎

جو گورو پرکھ نہ پاوے گھٹ ہیں ٭ مت تو جائے اکیلا بٹ میں

جو ایسے گورو کو محض انسان سمجھ کر اس سے رشتہ جوڑتا اور بیعت کرتا ہے۔ وہ دھوکا کھاتا ہے ؎

کوئی نیک کام ایسا نہیں ہے جس کے کرنے سے کوئی نہ کوئی نتیجہ نہ ہو۔ مگر سب سے بڑھکر کام گورو کا دھارن کرنا ہے بغیر گورو کی صحبت خدمت اور اشغط کے روحانیت کا مطلق فائدہ نہیں ہے۔

تیرتھ گئے تو ایک پھل سنت ملے پھل چار
ستگور ملے انیک پھل کہیں کبیر بچار

انتیسواں پیغام

مختلف قسم کے گورو۔ اوتار چیلے

اوپر کے پیغاموں میں اکثر کہا گیا ہے کہ سنت ستگور کی مدد کے بغیر روحانیت کا کھُلنا مشکل ہوتا ہے۔

دنیا میں دلی اور عقلی جذبات کے نشوونما کے سامان بہت ہیں۔ یہاں تک کہ زندگی کے روزانہ کاروبار تک اُن کے اُبھارنے اور اُن کے ترقی دینے میں مددگار رہتے ہیں۔ انسان ضرورت احتیاج اور مصیبت کے طمانچے کھا کھا کر تجربہ کار دانشمند اور عاقل ہو جاتا ہے۔ عقل سوچنے وچارنے سے تیز ہو جاتی ہے۔ مگر اس سے یہ نتیجہ کبھی نہ نکالنا چاہیئے کہ عقلی و دلی ترقی کے ساتھ روحانی ترقی بھی ہو رہی ہے۔ کیونکہ ان میں اور اس میں فرق ہے۔ روح اُس وقت جاگتی ہے۔ جب سرت کی دھار مخصوص کوٹھڑیوں کو ایک قاعدہ کے موافق حرکت دینے لگتی ہے۔ یہ حرکت اُس وقت ملتی ہے۔ جب وہ الٹ کر اوپر کی طرف چلتی ہے۔ رسم ورواج کی پابندی۔ شریعت کے ارکان کی تعمیل۔ کتابوں کا مطالعہ بحث و مباحثہ بطور خود عقلی نمو کے لئے مفید ہوں۔ اُن سے جسمانی و دماغی طاقت بڑھ جائے۔ مگر روح کا ان سے فائدہ نہیں ہوتا وجہ یہ ہے کہ سرت کی دھار باہر مکھی ہو رہی ہے جب تک وہ انتر مکھی نہ ہو گی۔ اور طبقات مخصوص کو حرکت دے کر زندہ نہ کرے گی۔ اور اُن کی مجہولیت کی حالت حرکت پا کر چُستی سے

تبدیلی نہ ہوگی۔ تب تک روحانی تکمیل کا امکان محال ہے
روحانی تکمیل کے مدرسے یا کالج نہیں ہیں۔ مدرسے یا
کالج صرف عقلی و جسمی نمو کے مددگار ہوتے ہیں۔ جو شخص
جسمانی ورزش کرتا رہتا ہے۔ اُس کا جسم نشوونما پاتا ہے
اور وہ پہلوان اور طاقتور ہو جاتا ہے۔ غور و فکر و عقلی
مشاقی سے عقل ترقی کرتی ہے۔ اور انسان عقیل اور دانا
ہو کر اوروں پر حکومت کرتا ہے۔ مگر روح کا درجہ ابھی
تک دور ہے۔ وہ صرف اُس وقت بیدار ہو گی۔ جب
سُرت کی دھار اُلٹ کر اوپر کی طرف رجوع کرے گی۔ اُلٹنا
اس وقت ممکن ہے جب سُرت متحد ہو کر کسی خاص مرکز
کو جو روح سے متعلق ہے ضرب لگاتی ہے۔ جس وقت
اس قسم کا بیوپار باقاعدہ ہونے لگتا ہے اُس وقت
اس کا عمل شروع ہوتا ہے۔ اور وہ مرکز شگفتہ ہو کر
پنکھڑیوں کی صورت میں کھل جاتے ہیں۔ تیر نشانہ پر
لگا۔ گولی خاص جگہ پر بیٹھی۔ اُس جگہ کو مشبک اور متاثر
کر دیا۔ تب اُس جگہ زندگی آئی۔ اور حرکت پیدا ہوئی
اور اس کا کاروبار شروع ہو گیا۔ اس چڑھائی کا
راز ہمیشہ سنت ستگور سے پراپت ہوتا ہے۔ وہی اس
محکمہ کے اُستاد اور معلم ہیں۔

ہر کجا آں ہست حکیم و اُستاد ٭ بانگ او زیں کوہ دل خالی مباد

سنتوں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ دقتاً فوقتاً جیوؤں کو دکھی دیکھ کر روحانی مقام سے آتے ہیں۔ اور جیوؤں کو چتا کر اپنے منزل کی طرف لیجاتے ہیں۔ اُن کا درجہ خلقت میں سب سے اونچا ہے۔ یہ دنیا کی تعلیم کے محتاج نہیں ہوتے پرگسٹ ہوتے ہی اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔ اور سواء روحانی تکمیل کے اور کسی قسم کی تعلیم نہیں دیتے۔ اس ذیل میں کبیر صاحب کی مثال خاص طرح کی ہے۔ تلسی صاحب بھی ایسے ہی بزرگ تھے۔ حضور مہاراج کی مثال کا بھی اس میں شمول ہے۔ دوسرے وہ ہیں جن کے جنم جنم کی سدھیاں اور اُن سے اگلے سنسکار وں کا مجموعہ خاص طرح کی کیفیت کا تماشہ دکھاتا ہے۔ وہ دنیا میں آتے ہیں کچھ تھوڑا سا کام جو روحانی تکمیل میں باقی رہ گیا ہے۔ اس کو ختم کرکے جیوؤں کو بھی چتا جاتے ہیں اور تھوڑے ہی دنوں میں اپنا دوسروں کا کام کرکے چلتے ہوتے ہیں اس فہرست میں دھرم داس جی۔ ربداس جی۔ نابھاجی۔ میرا بائی وغیرہ کے نام ذکر کرنے کے

ترجمہ ہر جگہ وہی استاد و حکیم ہے۔ اُسکی آواز سے کوہ دل خالی نہ رہے۔

قابل ہیں۔ سامان سب موجود ہے۔ جہاں کسی سنت کی خدمت نصیب ہوئی۔ روحانی نمو کا رُخ پیدا ہوا اور وہ ایک طرف لگ گئے۔ تیسرے وہ ہیں جو شبھ کرموں کی باسنا کے سنسکار سے نہ بہ اثر دنیا میں آکر حقیقت کی تلاش میں رہتے ہیں۔ قدرتی طور پر ان میں ویراگ ہوتا ہے۔ اور سنتوں سے تعلق کا رشتہ جوڑ کر اس جنم میں روحانی تکمیل کر لیتے ہیں۔ اور سنت گتی کو حاصل کر لیتے ہیں۔ اس فہرست میں پلٹو صاحب وغیرہ کا نام آتا ہے۔ یہ تین طرح کے گورو ہوتے ہیں۔ ان کے درمیان تمیز کا خط کھینچنا مشکل ہے۔ مگر ان میں سب سے زیادہ اہم اور قابل تعظیم پہلے درجہ کے سنت ہیں۔ اور وہ جب کبھی پرگٹ ہوتے ہیں۔ دنیا میں روحانیت کا سیلاب آجاتا ہے۔ اور ان کے میل اور فیضان صحبت سے بیشمار جیو تر جاتے ہیں یہ جو کچھ فرماتے ہیں۔ بجا اور صحیح ہوتا ہے۔

(۱) آں کہ از حق یابد او وحی و جواب ؛ ہر چہ فرماید بود عین صواب
(۲) ہر دمش او را یکے معراج خاص ؛ بر سرش تاجش نہد حق تاج خاص

ترجمہ :- (۱) جس کو خدا سے ہمیشہ وحی و الہام آیا کرتا ہے۔ وہ جو کچھ فرمائے عین صواب ہوتا ہے۔ (۲) اُس کو ہر وقت

معراج خاص (سہج سمادھی) کا مرتبہ حاصل ہے۔ خدا نے اُس کے
سر پر خاص اپنا تاج رکھا ہے ؎

(۳) اولیا اطفالِ حق اند اے پسر ٭ حاضری و غائبی اندر نظر
(۴) اندر آئینہ چہ بیند مرد عام ٭ کہ بہ بیند پیر اندر خشت خام
(۵) ظلِّ او اندر زمیں چوں کوہ قاف ٭ روحِ او سیمرغ و لبس عالی طواف
(۶) مردِ حق آئینۂ شش رو بود ٭ حق ازو از شش جہت ناظر شود

ایسے بزرگ کی صحبت اگر خوش قسمتی سے میسر آ جائے۔ تو کیا بات ہے۔ قسمت کا ستارہ چمک اُٹھتا ہے اور بلا محنت پرمارتھ کا پھل حاصل ہو جاتا ہے ہزار برس کی خالص زندگی ایسے پاک نہاد کی ایک ساعت کی صحبت سے بڑھ کر ہے کیونکہ جس وقت ادھکاری پُرش اُس کے مدِّ مقابل ہوتا ہے۔ اُس کی بجلی کی طاقت اُس میں سرایت کر جاتی ہے اور وہ بھی پاک بن جاتا ہے۔ پانی کے پاس جانے

(۳) اے بیٹے! اولیا خدا کے لڑکے ہیں۔ حاضر و غائب ہمیشہ اُس کی نظر کے سامنے رہتے ہیں۔ (۴) عام آدمی آئینہ میں کیا دیکھے گا۔ جو پیر کچی مٹی وا اینٹ میں دیکھتا ہے اور دیکھ سکتا ہے (۵) اُس کا سایہ دنیا میں کوہ قاف کی طرح ہے۔ اور اُس کی روح سیمرغ کی طرح عالی طواف ہے۔ (۶) مردِ خدا کھٹ مکھی آئینہ ہے۔ خدا اُس میں سے ہر شش طرف سے دیکھتا ہے ؎

جون جولائی اگست …

سے رطوبت ملتی ہے۔ آگ کے پاس جانے سے حرارت نصیب ہوتی ہے۔ جب جڑ جگت اپنا اثر اس طرح بخشتا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ کسی فقیر و صاحب دل کے پاس جانے سے وہ اثر نہ ملے گا۔ اگر وہ صحیح ہے تو یہ بھی صحیح ہے۔ اگر وہ غلط ہے تو یہ بھی غلط ہے؛

(۱) ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا ؛ گو نشیں اندر حضور اولیا
(۲) ہمنشینی ساعتے با اولیا ؛ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

(۱) جو خدا کی ہم نشینی کا خواہشمند ہو۔ اُس سے کہو کہ وہ ولی کامل کی ہمنشینی حاصل کرے۔ (۲) اولیا کی ایک دم بھر کی ہمنشینی سو برس کی بے ریا زندگی سے بڑھ کر ہے؛

اس کے بعد دوسرے درجہ کے فقیر کی صحبت بابرکت ثابت ہوتی ہے پھر تیسرے درجہ کے بزرگ ہیں۔ جنھوں نے کمائی کرکے سنتوں کا پد حاصل کیا ہے؛ پہلے درجہ کے بزرگ سنتوں کے اوتار کہلاتے ہیں۔ اُن میں اور مالک میں کوئی بھید نہیں ہوتا۔ اسی طرح دوسرے اور تیسرے بھی انشٹ کی نگاہ سے مالک کے روپ ہی ہیں۔ جو بھید مانتے۔ یا فرق سمجھتے ہیں۔ وہ ابھی تک روحانیت کی دولت حاصل

کرنے کے قابل نہیں ہوئے ہیں۔ اُن کی نگاہ غیریت پسند ہے۔ غیریت دوئی میں ہے وہ ابھی تک بھید جاوی ہیں۔ اُن کے لئے روحانیت کا پیغام سُنانا فضول ہے ؛

*(۱) سرمد غم عشق بوالہوس را نہ دہند ؛ سوزِ دل پروانہ مگس را نہ دہند
(۲) عمرے باید کہ یار آید بکنار ؛ ایں دولت سرمد ہمہ کس را نہ دہند

اوتار دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک نبی دوسرے ولی۔ ایک برہمہ کے اوتار۔ دوسرے خالص روحانیت کے ستھان کے اوتار ایک مذہب کی اشاعت نظام قدرت کی ترمیم و تنسیخ کے ساتھ کرتے ہیں۔ وہ جابر۔ اور سیاسی ہوتے ہیں۔ دوسرے جگت کے بیوہار کی طرف نگاہ نہیں کرتے صرف خالص پرمارتھ کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور دیا اور دھرم کے مجسم ظہور ہوتے ہیں ایک کی جہاد میں دینی و دنیوی دونوں خیال رہتے ہیں۔ دوسرے کا جہاد صرف اپنے نفس کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور دین و دنیا دونوں کی طرف سے عدم توجہی ہوتی ہے کیونکہ دونوں اصلیت کی راہ میں کانٹے ہیں۔ اور دونوں کی

---

*(۱) بوالہوس کو عشق کا غم نہیں دیا جاتا مکھی کو پروانہ کا سوز نہیں ملتا۔
(۲) یار سے ہمکنار ہونے کے لئے عمر چاہئے یہ دولت ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی ؛

صورت ایک سی ہوتی ہے۔ ایک تو پھنسانے کے لئے لوہے کی زنجیر گھڑتی ہے۔ دوسری سونے کی بناتی ہے۔ ایک دوزخ کو اور دوسری بہشت کو لیجاتی ہے ان میں سے سچی اور اصلی نجات کسی میں نہیں ہے۔ دونوں ہی پرمارتھ سے بمکھ کرنے والی ہیں۔ دونوں غلامی کی صورتیں ہیں۔ ایک کثیف ہے۔ دوسری لطیف ہے۔ ان کے درمیان بس اتنا ہی فرق ہے۔ اور زیادہ نہیں ؛

صوفئے صاف دل کہتا ہے:-

(۱)* باعقیمان کوئے دلداریم ؛ رُخ بہ دنیا و دین نے آریم

(۲) بلبل شاخسار لاہوتیم ؛ گوہر درج گنج اسراریم

اگر لوگ اوتاروں کے اس مسئلہ کو ایک مرتبہ ذہن نشین کرلیں۔ تو پھر ان کو اصلیت کے سمجھنے اور سمجھانے میں دقت واقع ہو۔ جو نہیں سمجھتے ان کو کیا سمجھایا جائے۔ جب تک روح سبک سیر اور بلند پرواز نہ ہو تب تک اس راز مخفی کا پتہ نہیں ملتا۔ اور اُن سے کتنا سنتا بھی لاحاصل ہے وہ کیسے سمجھیں گے۔ اُن کی نگاہ حق بین نہیں ہے اور نہ

(۱)* ہم کوچہ دلدار کے مقیم ہیں۔ دنیا و دین کی طرف ہمارا رُخ نہیں ہے ؛

(۲) لاہوت کی ڈالیوں کے ہم چہکتے ہوئے بلبل ہیں اور اسرار کے ڈبے کے موتی ہیں ؛

حق پر ہے۔ نظر جب ناحق پر جمی ہوئی ہے۔ تو وہ حق کی طرف کیسے رجوع ہو ؟

اعلیٰ درجہ کے سنت دنیا میں اس وقت پرگٹ ہوتے ہیں۔ جب مصیبت اور دکھ بہت بڑھ جاتا ہے۔ یہ زمانہ مصیبت اور تکلیف کا ہے۔ ایک قوم دوسرے کو ہڑپنا چاہتی ہے۔ رشک اور حسد کے نظارے پیش نظر ہیں۔ ایک ملک دوسرے ملک کا دشمن ہے۔ علم و ہنر کے شعبے لعنت کے باعث بن رہے ہیں۔ ایجادات اور اختراعات یا تو ذاتی نفع کی غرض سے کی جاتی ہیں۔ یا دنیاوی مفاد کے خیال سے اُن کا ظہور ہوتا ہے۔ اور وہ انسان کے گشت و خون اور اُس کے حقوق کے چھیننے کے لیے ہوتی ہیں مادہ کی محتاجگی کا قدم قدم پر سوال ہے۔ طرح طرح کی نئی بیماریاں وبال جان ہیں۔ روح مغلوب اور مادہ غالب ہے۔ اس دکھ کا کیا ٹھکانا ہے! دُنیا نرک کی صورت بن گئی ہے۔ نظر کو وسیع کر کے دیکھو۔ اس وقت گو نمائشی سامان کثرت کے ساتھ دکھائی دے رہے ہیں مگر ان میں خوشی کہاں راجا پرجا سب دُکھی ہیں۔ مگر کیا کسی کو اس دکھ سے بچنے کا خیال بھی ہے دکھ سے تو ہر شخص گھبراتا ہے۔ مگر غلطی اور نادانی سے دنیا ہی کے

سامان ہیں پھر بھی سکھ کی تلاش کی جاتی ہے۔ جو لوگ اچھی طرح سمجھ گئے ہیں کہ دنیا اور دنیا کے اسباب میں سکھ نہیں ہے۔ اور اس سے گھبرا کر کسی اور زبردست سکھ کی خواہش رکھتے ہیں۔ جو خود اختیاری ہو۔ ان کے لئے بالخصوص سنتوں کا ظہور ہوتا ہے اور وہی سچے مرید اور سیوک کی حیثیت میں پیش ہو کر پرمارتھ کی کمائی کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ سنتوں کا سندیش صرف ایسے ہی جیووں کے لئے ہے۔ اور وہی زیادہ کا فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ باقی اور لوگوں میں بیج ڈالا جاتا ہے تاکہ سنسکار کے قانون کے زیر اثر وہ بھی کسی وقت چیت جائیں۔ اور اصلیت کی طرف متوجہ ہو کر اپنا کام بنائیں ؛

تیسواں پیغام

چند ضروری اور معمولی باتوں کا اپدیش۔ اور اُسکی صراحت

سنت مت کی اخلاقی تعلیم بہت ہی سیدھی سادی ہے اور اس کی جڑ بھی روحانیت اور روح میں ہے۔ ایثار نفسی

تہذیب نفس۔ اور نفس کشی تو ضرور ہے۔ مگر ان کی ظاہری صورت اور نمائشی بیوہار کی طرف اس قدر دھیان نہیں ہے توجہ کا رُخ صرف روحانی ترقی کی طرف ہے۔ اور اس لئے زور لگایا گیا ہے۔ جو کچھ ابھیاسی کرتا۔ کہتا اور سوچتا ہے۔ اُس میں محتاط رہے۔ ایسا نہ ہو کہ اُس کو وہ نیچے کی طرف گرا دیں۔ جو کام کہ جذبات نفسانی و غلبات حیوانی کو بڑھاتے ہیں۔ ادھرم ہیں۔ جو اس کو مالک کی بھگتی کی طرف لگاتے ہیں دھرم ہیں۔ دوسروں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرنا چاہیے۔ جیسا ہم اوروں سے اپنی نسبت اُمید رکھتے ہیں سنت مت کا معراج۔ اتحاد۔ وصال اور ہم آہنگی ہے۔ اور اس لئے اُس کو تاکید اور سختی کے ساتھ ہدایت کی جاتی ہے کہ جس قول فعل اور خیال سے دوسروں کی دلآزاری۔ گروہوں میں تفرقہ اور عام انسانوں میں ناچاقی و نااتفاقی پیدا ہو ان سے پرہیز کرنا چاہیے۔ دل کا ستانا سب سے بڑا پاپ ہے۔ دلداری اور دلدہی بہت بڑا دھرم ہے جو دوسروں کے دل کو صدمہ پہنچاتا ہے وہ اپنے دل کو بھی ٹھیس لگاتا ہے۔ مذہبی معاملات کے متعلق چھیڑ چھاڑ کرنے کی سخت ممانعت ہے۔ لوگ اپنی اپنی سمجھ کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ جب تک ان کی سمجھ اونچے

درجہ کی نہ ہو جائے۔ تب تک اُن سے اونچے درجہ کی بات کہنا نادانی میں داخل ہے کسی کے معاملات میں خواہ مخواہ دخل در معقولات کرنا اور جبراً اس کو اپنے خیال و ایمان پر لانے کی کوشش کرنا حماقت اور غلطی ہے؛

ذیل میں ہم چند ہدایتیں "سمارچن رادھاسوامی" نامی سنت مت کی کتاب سے اخذ کر کے اپنی زبان میں بیان کرتے ہیں۔ ان سے معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس طرح کا اخلاق سکھاتے ہیں۔

"جو کچھ کہا جاتا ہے۔ تمہارے فائدہ کی نظر سے کہا جاتا ہے۔ (۱) قول فعل اور خیال میں محتاط رہو۔ (۲) کبھی بیکار نہ رہو۔ نہ گپ شپ میں وقت رائگاں کھوؤ۔ اور نہ ہمسایہ کے معاملات میں دخل دو۔ (۳) پرانی ٹیک کا خیال محض اس وجہ سے کہ وہ پرانی ہے۔ ــ ہم بیجا ہے۔ ذات پات کا جھگڑا فضول ہے۔ (۴) تعظیم انکساری اور ایثار نفسی کے ساتھ اپنی دنیاوی حالت پر قانع بنے رہو۔ (۵) زندہ مخلوق پر مہربان رہنے کی کوشش کرو۔ (۶) کھانے پینے میں اعتدال پسندی کی عادت سیکھو۔ (۷) ست سنگ کی باتوں پر وچار کیا کرو۔ (۸) گورو کی صحبت اور خدمت کو غنیمت خیال کرو۔ (۹) جسمانی و دلی حالتوں پر اختیار حاصل کرو۔

یہ بھی تادیب ہے۔ (۱۰) ابھیاس میں کبھی ناغہ نہ ہونے پائے۔ (۱۱) اس کا دھیان رہے کہ تمھارا جسم ہی مالک کا مندر ہے۔ وغیرہ وغیرہ ؛

تشریح (۱) جو کچھ ہم کرتے کہتے یا سوچتے ہیں وہ ہماری موجودہ اور آئندہ زندگی پر اثر انداز رہتے ہیں اس وقت ہم جو کچھ ہیں۔ وہ ہمارے پہلے کرم۔ وچن اور وچار کا نتیجہ ہے۔ آئندہ بھی ہم جو ہوں گے انھیں کے اثر سے ہوں گے۔ جو چیز انسان بوتا ہے اس کی فصل کاٹتا ہے۔ کرم کا قانون اٹل ہے اس میں رو رعایت کا نام ونشان نہیں ہے جزا وسزا دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ ہر شخص اپنے فعل کا خود جواب دہ ہے فعل کے نتیجہ سے بچنا امر محال ہے کرم دور سے تمھارے پیچھے لگا آتا ہے۔ اور چاہے جہاں بھاگنے کا خیال کرو۔ وہ پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ کوئی زمینی یا آسمانی طاقت اس کے پھل پانے سے تم کو پناہ نہیں دے سکتی ؛

(۲) سستی مصیبت کی ابتداء ہے۔ اس کی بنیاد اگیان میں رہتی ہے۔ اس لئے ہمیشہ اپنے آپ کو کام میں مصروف رکھو۔ من خالی رہنا نہیں چاہتا اگر کام نہیں کرتے۔ تو وہ تو یوں بھی بیکار نہیں رہے گا۔ خیالی

قلابازیاں کرتا رہے گا۔ اور اس طرح تم کو دھکا دے گا کہ
منہ کے بل گر جاؤ گے۔ خیریت یہ ہے کہ ہاتھوں سے کچھ
کام کرو۔ اور من کو اپنی طرف سے کوئی خدمت حوالہ کیا کرو۔
تاکہ اس میں تمھارے سیوک بننے کا سنسکار پڑتا چلے
ورنہ اگر وہ بے لگام رہ گیا۔ تو مالک بننے کی کوشش کریگا
اور تم کو ناچ نچانے لگے گا۔ کام بھی مطلب کا ہو۔ اناپ
شناپ نہ ہو۔ ورنہ وہ بھی اور طرح کے گمراہ کرنے والے
سنسکار پیدا کرے گا۔ جو لوگ گپ شپ کیا کرتے ہیں
یا کسی اور کے معاملہ میں دخل در معقولات کرتے ہیں۔ بالعموم
وہ بیکار اور سست آدمی ہی ہوا کرتے ہیں۔ اور کچھ نہیں
چلو اسی میں تفریح سہی۔ کیونکہ من فطرتاً مشغلہ کے بغیر رہنا
نہیں چاہتا دوسروں کے کام میں دخل دینے سے
بلا ضرورت رنج وحسد پیدا ہوتا ہے۔ بُرائی پیدا ہوتی ہے
تم کو بھلا اوروں سے کیا کام! اپنا کام دیکھنا چاہئے کہ
کسی اور کے پیچھے پڑنا چاہئے۔ اس کی عادت شروع
شروع میں صرف تفریح و مذاق کے خیال سے پیدا ہوتی
ہے پھر رفتہ رفتہ اس کی حالت بدلنے لگتی ہے۔ اور
انسان روز بروز بد سے بدتر ہو کر بُرائی کے گڑھے میں
گر جاتا ہے۔ اور پھر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کب تک اس

میں پڑا رہیگا۔ اور کس طرح اس سے نکل سکے گا؟
(۳) جو گذر گیا گذر گیا۔ موجودہ حالت سے اس کا کیا تعلق
ہے۔ آج کل کی زندگی کی ضرورتیں گذشتہ زمانہ کی زندگیوں
کی ضرورتوں سے مختلف ہیں۔ زمانہ گذشتہ اپنا کام
کر گیا۔ اب اس کا راگ گانا فضول ہے۔ جو گیا وہ
گیا اب تمھارے راگ گانے سے واپس تو نہیں آئیگا
اس لئے موجودہ وقت کی ضرورتوں کو دیکھو۔ گزرے
ہوئے زمانہ کے واپس لانے کا خیال چھوڑ دو۔ یہ
تمھارے بس کا نہیں ہے۔ پہلے ایک پیسہ میں دس سیر
گیہوں ملتا تھا۔ بھلا اب تو خریدو۔ وہ وقت اور تھا۔
جیسا وقت ہے اسی کی چال چلو۔ تب تو کام بنے گا۔
ورنہ ٹھوکریں کھاؤ گے بڑھاپے میں جوانی کی باتیں
فضول ہوتی ہیں۔ اب نہ وہ طاقت ہے۔ نہ امنگ ہے
کیوں نہیں ایسا کام کرتے جن کا بڑھاپے میں نباہ ہو سکے
اس طرح رسم و رواج۔ مذہب۔ ملت۔ ہادی۔ رہبر
راج کاج آئین قانون سب کی نسبت سوچ لو۔ یہ اب
مُردہ ہیں۔ مردہ چراغ روشنی نہیں دے سکتا۔ روشنی
جب ملے گی۔ زندہ چراغ سے ملے گی۔ ایک بات تو یہ
ہوئی۔ دوسری یہ ہے کہ ذات پات کی اصلیت سوچو

وہ کیا تھیں کیا ہیں اور اب ان کے ساتھ کیا برتاؤ ہو رہا ہے۔ دنیا کو اس بات کی پرواہ نہیں ہے کہ تم کیا تھے وہ تمھاری موجودہ حالت کو دیکھ کر تمھارے ساتھ سلوک کرے گی۔ تم بھی خود کیوں نہیں موجودہ ذریعوں سے درست کرتے۔ پرانی ٹیک کیا پکڑ رکھی ہے۔ اگر پرانی لکیر کے فقیر ہو تو بھیکھ منگوں میں شمار ہو گا ترقی کا موقعہ جو ملا ہے ہاتھ سے چلا جائیگا اور افسوس کرنا پڑے گا۔

(۴) زندگی سے پاک کوئی شے نہیں ہے جو اس کو پاؤں سے کچلتے ہیں وہ بُرا کرتے ہیں۔ جیو دیا پالو۔ کسی کو نہ ستاؤ نہ ہلاک کرو۔ ورنہ جنم مرن کی پھانسی پر لٹکائے جاؤ گے۔ گوشت کو غذا نہ بناؤ اگر دوسرے کھاتے ہیں تو اُن کی ریس نہ کرو۔ اس خوراک سے من ملین ہو گا۔ انسانیت جاتی رہے گی اور حیوانیت آجائے گی۔ یہ خیال کہ گوشت کھانے سے طاقت آتی ہے غلط ہے۔ طاقت تو من سے آتی ہے۔ من جتنا ہی لطیف ہو گا اتنا ہی طاقت ور ہنے گا۔ لطیف من والا آدمی اگر ہاتھ پاؤں کے کام کی مشاقی کرتا رہے تو وہ طاقت ور ہو جائے گا۔ یہ تم جانتے ہو گوشت خوار جانور بالعموم مکّار ہوتے ہیں۔ وہ اپنا کام فریب دھوکہ اور داؤں

گھات سے نکالتے ہیں برعکس اس کے ساگ پات اور اناج کھانے والے سیدھے اور سچے ہوتے ہیں۔ ہاتھی اور اور بیل طاقت والے ہوتے ہیں۔ گوشت خوار جانور مکّار دیکھے جاتے ہیں۔ روحانیت سے تعلق رکھنے والوں کو تو اس غذا سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہئے ؛

(۵) انسان کی زندگی صرف کھانے پینے کے لئے نہیں بنی۔ اس کا کچھ اور بھی مقصد ہے ان باتوں میں اعتدال پسند ہونا چاہئے افراط اور تفریط سے بچنے کی کوشش میں رہنا چاہئے۔ ورنہ گمراہ کردیں گے۔ اور آدمی کہیں کا بھی نہ رہے گا۔ یہ نہیں کہا جاتا کہ ان کی طرف سے بالکل غفلت کی جائے۔ کیونکہ موجودہ حالت میں اس قسم کی غفلت مضر ہوگی۔ مگر اُس کے ساتھ ہی یہ بھی نہیں کہا جاتا کہ سب انگ سے اُن ہی کے ہو جاؤ۔ اعتدال میں آرام و خوشی ہے افراط اور تفریط میں دکھ اور بھرانتی ہے۔ زندگی کے اصلی مقصد کا دھیان رہے ورنہ گمراہی نتیجہ ہوگی ؛

(۶) جو حالت ہے وہی جو ہے وہ درست اور واجب ہے مالک دانا اور گھٹ گھٹ کا باسی ہے

وہ جانتا ہے تمہاری بہتری کس کام میں ہے۔ اگر اس کو علیم و فہیم سمجھتے ہو تو پھر اُس کے انتظام کی شکایت کیوں کرتے ہو۔ اگر وہ صحیح ہے تو تمہاری شکایت بیجا ہے اور اگر تمہاری شکایت درست ہے تو وہ غلطی پر ہو گا۔ سوچو۔ تم زیادہ عقلمند ہو یا وہ زیادہ عقلمند ہے۔ دونوں ایک وقت میں صحیح نہیں کہے جا سکتے ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مصلحت بیں ہے۔ اگر تمہارا بھی اسی طرح کا خیال ہے۔ تو اُس کے کام پر نکتہ چینی نہ کرو۔ اپنے آپ کو اُس کی رضا کے حوالہ کر دو۔ اور سکھی رہو گے دنیا کسی مقصد کی غرض سے ہے۔ وہ یوں ہی نہیں ہے۔ تمہاری نظر جزئیات پر ہے۔ اس لئے تم اپنے ہی ناقص خیال کے شکار بنے ہوئے ہو۔ نظر کو ذرا وسیع کر لو۔ اس کا آسرا کرو۔ اور اُس کے انتظام کو خاص برکت کا باعث سمجھنے لگو گے ؛

(۷) جو باتیں ست سنگ میں سنتے ہو۔ اُن کے ساتھ مجلسی تقریروں کا سا برتاؤ نہ کرو۔ کہ اس کان سے سُنا اُس کان سے نکال دیا۔ بچن کو توجہ کے ساتھ سنو جو مفید معلوم ہوں اُن کو چن کر اپنے من اور ذہن کے برتن میں حفاظت کے ساتھ رکھ لو۔ اُن کو اپنی زندگی

کی غذا بناؤ۔ تاکہ وہ اس کے جزو اعظم ہو جائیں جس قدر ان کو ہضم کرتے جاؤ گے ویسے تم میں طاقت آتی جائیگی اور تمھارا چال چلن درست ہوتا جائے گا۔ اور یہی ترقی کی تکمیل میں سرگرمی اور ثابت قدمی بخشے گی۔ اگر اس کا خیال نہیں ہے۔ تو پھر سُننا اور نہ سننا ایک سا ہے سنو۔ وچارو۔ مگر اچھا جو ہو اسی کو دل میں رکھنے کی کوشش کرو۔

(۸) زندہ مذہب میں ہمیشہ زندہ گورو کی ضرورت محسوس ہوگی۔ اُس کی خدمت صحبت اور برکت سے نئے نئے خیالات اور نئے نئے جذبات پیدا ہوں گے اور روحانیت کی وراثت آسانی سے نصیب ہوگی۔ ایسا کرو کہ وہ تمھاری زندگی کی مشعل ثابت ہو۔ اور اُس کے ذریعہ سے تمھارا گیان نمودار ہو جاتا ہے اگر زندہ گورو سے تعلق ہے تو زندگی ملے گی۔ اور اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر مذہب بھی علمی مشغلہ کا ڈھکوسلہ بنجائے گا۔ اور وہ بھی دنیا کا جھگڑا اور بندھن کا کارن ثابت ہوگا۔ اور لفظوں کی الٹ پھیریں اصلیت پر پردہ پڑ جائے گا۔ ڈرو نہیں۔ گورو مُکت ہے وہ مکتی دے گا۔ گورو کا پریم اور اُس کا بھروسہ تمام خطرات اور

خدمات کی بیخکنی کر دیتا ہے۔ ڈر کس بات کا ہے۔ زندہ
شئے سے زندگی ملتی ہے۔ خوف کی چیز سے خوف
پیدا ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ اپنی زندگی میں گورو مکھ
دوارا سادھن سیکھ لو ابھیاس کرتے ہوئے اگر ایک
مقام تک بھی رسائی حاصل ہو جائے تو بیخوفی آجائیگی
اور آئندہ چڑھنے کے سنسکار جاگ اُٹھیں گے۔
دماغ کی طرف لوٹنے سے دُکھ نہیں ہوتا اس میں دُکھ کا
ابھاؤ ہے۔ جس نے ایک مقام بھی طے کر لیا وہ پھر
موت سے بھی نہیں ڈرتا۔ ابھیاس ہمیشہ شبد ابھیاسی
گورو سے سیکھنا چاہئے۔ کتابوں کو پڑھ کر کبھی کام نہ
کرنا چاہئیے۔ کتابیں بخیر قید بندی کی حالت میں ہیں جلد
بند لفظ بند۔ حرف بند ان کی بندشوں کا کیا ٹھکانہ
ہے۔ جو خود بند میں ہے وہ کیا نجات دے گا۔ نجات
تو جب ملے گی۔ نجات یافتہ روح سے ملے گی۔ سویا ہوا
آدمی دوسرے سوئے ہوئے کو نہیں جگا سکتا جو
بیدار ہے وہی سوتوں کو جگا دیتا ہے گورو جاگتا ہوا
پرکاش ہے۔ اس لئے اس کی باتوں سے بیداری کا
وصف پیدا ہو گا۔

(۹) من اور اندریاں دونوں گمراہ کرنے والی ہیں۔

اس لئے ان کی روک تھام کرنا ضروری ہے۔ روک تھام کرنا ہی طاقت کی نشانی ہے۔ اس راز کو کمتر آدمی سمجھتے ہیں۔ گھر بار چھوڑنے کی ضرورت نہیں کیونکہ جہاں رہو گے۔ من اور اندریاں ساتھ رہیں گی۔ اُن سے چھٹکارا کیسے مل سکتا ہے؟ جھوٹا ویراگ اور جھوٹی نفس کشی بیہودہ حرکت ہے۔ ظاہرا تو وہ دنیا کی طرف سے بغاوت کا سامان ہے۔ مگر اصل میں اُن سے فائدہ نہیں ہے۔ چاہے گھر میں رہو۔ چاہے الگ تھلگ رہو۔ ہر جگہ من سے تعلق رہے گا۔ اس لئے اُسی کے پیچھے کیوں نہیں پڑ جاتے! اندریوں کو من میں اور من کو سُرت میں لے کرنا سیکھو۔ سرت شبد یوگ بڑے کام کی چیز ہے یہ آسانی سے من پر قابو دلاتی ہے۔ اگر من اور اندریاں بس میں آجائیں تو دنیا کا بھوگ بھی بندھن نہ بنے گا اور من واندریوں کی اکڑ کا دُکھ نہ ہو گا چند ماہ کا ابھیاس خود اس بات کو سمجھا دے گا۔ پھر اور کسی کے سمجھانے بجھانے کی ضرورت باقی نہ رہے گی؛

(۱۰) جگت کا بیوہار عادت سے ہوتا ہے۔ عادت ہی اپنا اثر پیدا کر کے انسان کو پھنساتی اور چھڑاتی ہے

بُری عادتیں من میں اُسی طرح پیدا ہوتی ہیں۔ جیسے اناج کے کھیت میں گھاس پھوس اور پھول کی کیاری میں کانٹے کٹیلے اُگتے ہیں۔ اگر یہ بڑھ گئے تو اناج اور پھول کی ترقی ماری گئی۔ اسی طرح اگر انسان بد عادتوں کا غلام بنتا گیا۔ تو پھر اچھے اور صاف نہ بن سکتے جائیں گے عادت کے بنانے والے تم ہو۔ تم ہی اُس کی جڑ اُکھاڑ کر پھینک سکتے ہو۔ کام اسی طرح کرتا ہے جیسے ہوشیار کسان اور مالی کھیت اور کیاری کی "نرائی" کرتا ہے۔ اناج اور پھولوں کو تو رہنے دیتا ہے مگر گھاس پھوس اور کانٹے کٹیلے کو اُکھیڑ کر پھینک دیتا ہے۔ اگر روز ابھیاس ہوتا رہے گا۔ تو بری عادت کا سنسکار جڑ سے کھد جائے گا۔ کیونکہ جو شخص ابھیاسی ہوگا وہ بری صحبت بری بات اور تعلقات سے بچکر چلے گا ورنہ اُس کے ابھیاس میں وگھن پڑے گا۔ تجربہ خود اُس کو بتاتا رہے گا۔ کہ کس قسم کے آدمیوں سے میل جول رکھا جائے۔ ابتداء میں ذرا دقت ضرور ہوگی۔ مگر عادت کا قانون یہاں بھی اپنا کام کئے بغیر نہ رہے گا۔ تم کو روز آدرش اور اشٹ کا تصور کرنا ہوگا۔ روز اندر یوں اور من کو

اندر کی طرف موڑنا پڑے گا۔ روز شبد کا سننا اور سمرن دھیان کرنا ہوگا۔ جہاں دو چار روز کے ابھیاس کے بعد اندر رس آنے لگا۔ پھر وہ نہ چھوڑیگا بغیر کمائی کئے ہوئے چین نہ آئے گا۔ کیونکہ اندرونی سرور کے بغیر سارا باہر کا رس پھیکا پڑ جائے۔ ایک بات اور بھی ہے جو حاصل ہو گی۔ جس طرح تھوڑی تھوڑی شراب پینے والا آدمی عادت کی وجہ سے پھر زیادہ شراب پینے لگتا ہے۔ کیونکہ معمولی سرور کے مساوات سے اُس کو آسودگی نہیں ہوتی۔ اسی طرح ابھیاس کا بھی حال ہوگا۔ اس کی عادت کے ساتھ مزاولت ہونے سے آگے کی طرف چڑھائی کا خیال خود بخود پیدا ہوتا جائے گا۔ اور جب تک منزل مقصود تک رسائی نہ حاصل کر لی جائے گی تب تک۔ قدم برابر آگے کی طرف بڑھتا رہے گا۔ یہ سبب ہے کہ سنتوں نے بلا ناغہ روزانہ ابھیاس کرنے کی ہدایت کی ہے۔ ذرا اس سے تعلق تو پیدا کرو۔ پھر دیکھو کس طرح آسانی سے کام بنتا ہے۔ آہستہ آہستہ اعتدال اور میانہ روی سے کام لو۔ خود بخود مرحلے طے ہوتے چلیں گے۔

(۱۱) توہمات سے بچو۔ مندر اگر کہیں ہے تو وہ صرف

تمھارا اپنا دل ہے اُسی میں نور خدا دیکھنے میں آئے گا۔ باہر کہیں کچھ بھی نہیں ہے۔ جو کچھ ہے تمھارے اپنے اندر ہے۔ اسی دل میں جسمانی سلطنت ہے۔ اور اسی جسم میں روحانی سلطنت ہے۔ باہر کیوں کوئی بھٹکے۔ جب اپنے اندر گنگا بہ رہی ہے۔ تو کیوں پیاس کی تکلیف اُٹھائی جائے۔ اور کیوں دوسری جگہ پانی کی تلاش کی جائے۔ اسی تمھارے دل کے مندر میں مالک اپنی آب وتاب وجاہ وجلال کے ساتھ براجمان ہے۔ اس کی تلاش اندر کیوں نہیں کی جاتی۔ کیوں مندر و مسجد کی اینٹوں سے سر ٹکرایا جارہا ہے۔ جو وقت اور موقعہ ملا ہے۔ اس کو غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ وقت رائیگاں نہ کھونا چاہیئے کون جانے پھر ایسا وقت کب ہاتھ آئے۔ کسی بات کا ٹھکانہ نہیں۔ عقلمند آدمی کو چاہیئے کہ موقعہ سے فائدہ اُٹھائے۔ اور اسی زندگی میں حقیقت کا شناسا ہو جائے۔

وغیرہ۔ وغیرہ۔ وغیرہ ٭

اکتیسواں پیغام

لوگ ابھیاس کرنے کے چند ظاہری و باطنی فائدے یہاں اس طبقہ میں جو کام ہم کرتے ہیں۔ کسی نہ کسی غرض کو سامنے رکھ کر کرتے ہیں۔ ہر کام کی ابتدا اور وسط میں بھی سوال کیئے جاتے ہیں۔ خود بھی آدمی اپنے دل سے سوال کرتا ہے اور دوسرے بھی اُس سے سوال کرتے رہتے ہیں۔ سوال کی زبان اس وقت تک بند نہیں ہوتی جب تک کہ کام کرنے والا انتہائی مراتب کو حاصل نہیں کر لیتا وہ تو ممکن ہے کہ سمجھنے بوجھنے پر اپنے دل میں سوال نہ اُٹھنے دے کیونکہ بتدریج ترقی کے مرحلوں سے گذرتے ہوئے اُسکا اپنا انبھو بڑھتا جاتا ہے اور وہ اپنے خیال اور عقیدہ میں اس قدر پختہ کام اور مضبوط بن جاتا ہے۔ کہ پھر اوروں کی چھیڑ چھاڑ۔ اعتراض اور نکتہ چینی کی پرواہ تک نہیں کرتا۔ اپنی دھن میں لگ جاتا ہے مگر اور لوگ جو مغز حقیقت سے ہمیشہ نا آشنا رہتے ہیں اُن کی سوال پُرسی کبھی بھی ختم ہونے پر نہیں آتی۔ جن لوگوں نے سنت مت اور اُس کے ابھیاس کا

بھید پالیا ہے۔ اُن سے کچھ کہنا سُننا نہیں ہے۔ جو بالکل بیخبر۔ بے پرواہ و ناآشنا ہیں اُن کو بھی سُنانے کی ضرورت نہیں کیونکہ جو شخص کرنی نہیں کرتا اُس کو کبھی کسی حالت میں بھی خبر نہ ہوگی۔ اُس کے جو جی میں آئے کہتا سُنتا رہے۔ ہاں جو حقیقت کے متلاشی ہیں اور جن کی نگاہ بھید پاکر اُس سے فائدہ اُٹھانے کی طرف رہتی ہے۔ اُن کے لئے حضرت شبد یوگ کے ابھیاس سے جو فائدہ ہوتے ہیں اُن کا مجملی اظہار کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بات تو جو کچھ کہنی تھی موقعہ موقعہ پر کہہ چکے ہیں۔ عمداً اُس کی یہاں علیحدہ صراحت کئے دیتے ہیں۔ ابھیاس کرنے سے جو فائدے حاصل ہوتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:-

(۱) اس سے دلی اور جسمی صحت درست رہتی ہے جب تک آدمی شانت چت نہ ہو۔ اس سے ابھیاس نہیں بن سکتا۔ خیالات اور چت کے ایکاگر ہونے سے جسمانی نظام کے پرزہ پرزوں میں ہم آہنگی آجاتی ہے۔ جسم کیوں مریض رہتا ہے؟ کیونکہ دل چنچل ہے خیالات ناقص ہیں۔ ناقص خیالات کے میل سے

غفقہ۔ حسد۔ لغض وغیرہ پیدا ہوتے ہیں غضبات وغلبات
کی وجہ سے جسم کے رگ وریشوں میں انتشار پیدا
ہوتا ہے۔ یہی انتشار جسمی نظام کی ہم آہنگی کو
برباد کر کے بیماری لاتے ہیں۔ جس وقت من شانت
رہنے لگا۔ خود بخود صحیح الدلی و صحیح الجسمی آجاتی ہے۔
اور شانتی نصیب ہوتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ بعض
ابھیاسیوں کا جسم کانٹے کی طرح سوکھ جاتا ہے۔
کیونکہ ابھیاسی اکثر قلیل الغذا ہو جاتے ہیں۔ مگر اس
سے کوئی ہرج نہیں ہوتا۔ جسم چاہے خشک ہو جائے
مگر چہرہ پر آب و تاب بڑھ جاتی ہے اگر جسمی صحت میں
کچھ خلل ہے۔ تو اس کے سبب اور بھی ہوں گے
ممکن ہے اس کی طرف سے ضرورت سے سوا بے پروائی
سے یا بیٹھنے کا زیادہ عمل کیا جاتا ہے۔ یا اوروں کے
خیالی بوجھ کو اپنے اوپر لے لیا جاتا ہے۔ تاہم
یہ خاص خاص حالتیں ہیں۔ عام آدمیوں کی حالت
جسمی روحی لحاظ سے صحت کی ہوتی ہے۔ اور کہیں
زیادہ کھچاؤ کے سبب سے دیدہ دانستہ اگر ابھیاسی
جسمی طاقت کو چھوڑ کر روحی طاقت پر نشست رکھنے کا
شائق ہے تو جسم کو دھکا پہنچ جاتا ہے۔ مگر چونکہ اندرونی

سلسلہ مضبوطی کے ساتھ قائم ہے جسم کے تعلقات اُسکے لئے دُکھ دائی ثابت نہیں ہوتے جو بات اوپر کہی گئی ہے عام آدمیوں اور اعتدال پسند طبیعتوں کے لئے کہی گئی ہے ؛

(۲) انتریں شبد سُننے سے طبیعت پر خاص قسم کے سرور کی حالت طاری ہوتی ہے یہ شبد آسمانی نغمے اور روحانی راگ ہیں۔ ان میں روحانیت کا میلان رہتا ہے۔ اور چند ہی روز کے ابھیاس سے یہ حالت آجانی ممکن ہے کہ جب وہ چاہے۔ بلا تردد سُرت کی دھار کو سمیٹ کر اپنے اندر داخل ہو جائے اور جاگرت کے دکھ سے بچ رہے ؛

(۳) صورت وشکل میں لطافت آجاتی ہے۔ چہرہ سے نورانیت کا اظہار ہونے لگتا ہے۔ آواز میٹھی اور سُریلی ہو جاتی ہے۔ اور جو الفاظ زبان سے باہر نکلتے ہیں سُننے والے پر خاص طرح کا اثر کرتے ہیں ؛

(۴) اصلیت کے پتہ ہونے سے وہ سُرت کی دھار کی طاقت کو برباد نہ ہونے دے گا۔ اُس کا تھوڑا کا کام اوروں کے زیادہ دیر کے کام سے اچھا ہو گا۔

کیونکہ باہری جگت کے کام میں بھی جب وہ لگے گا۔ یکسو ہو کر لگے گا۔ اور اُس کی محنت خاص قسم کا پھل پیدا کرے گی۔ اس قسم کا آدمی کام بھی سب سے زیادہ کر سکتا ہے۔ کیونکہ یونہی بیٹھے بیٹھے جہاں سرت کو تھوڑی دیر کے لئے اپنے اندر سمیٹ لیا اُس میں پھر وہی تازگی آجاتی ہے؛

(۵) ممکن ہے کہ وہ زیادہ دنوں تک جی سکے مگر درازالعمری کی ہوس ناقص ہوتی ہے۔ جس وقت زندگی کسی خاص طبقہ کے فرائض کو انجام دے لیتی ہے پھر اُس کا وہاں رہنا وبال ہوتا ہے۔ نظام قدرت میں یہ اہتمام ہے اس لئے اس کا تو خیال تک ابھیاسی کو نہ ہونا چاہیئے۔ ہاتھی اور برگد کے درخت کی عمر زیادہ ہوتی ہے۔ مگر وہ حیوان اور جسڑ ہی ہیں؛

(۶) بہت سے جسمی طبقات کی سیر ابھیاسی باختیار خود کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جس مرکز پر موت کا واقعہ ہوتا ہے وہ بھی طے کر لیا جاتا ہے۔ اس لئے موت کے وقت اُس کو کسی طرح کا خوف نہیں ہوتا۔ اور وہ خوشی سے اُس کا خیر مقدم کرنے کے لئے تیار

رہتا ہے۔ چونکہ وہ خود روز انہ ابھیاس میں کھچاؤ کا کام کرتا ہے۔ موت اُس کے لیئے یوں بھی دُکھ دائی نہیں ہوتی :

(۷) روشنضمیری۔ باریک نظری۔ لطیف مزاجی اُس کے حصہ میں آتی ہے۔ جس مقام کو وہ ابھیاس میں طے کر لیتا ہے۔ وہ گویا فتح کر لیا جاتا ہے اور اُس کی سمجھ بوجھ اعلیٰ درجہ کی ہوتی جاتی ہے :

(۸) سب سے اعلیٰ فائدہ یہ ہے کہ وہ منزل مقصود تک رسائی حاصل کر لیتا ہے اور پرم پد تک پہنچکر ہمیشہ کے لئے جنم مرن کی زنجیر کو پاش پاش کر دیتا ہے۔ اور پھر نہ بھوساگر میں آتا ہے۔ نہ دُکھوں کا شکار ہوتا ہے۔ وغیرہ۔ وغیرہ۔ وغیرہ :

تیسواں پیغام

(رچنا۔ سرشٹی۔ ستھتی۔ پرلے)

رچنا کیا ہے؟ کیسے ہوتی ہے؟ اس کا مقصد کیا ہے؟ یہ سوال بہت ہی دلچسپ ہیں اور ان کا جواب بھی کم دلچسپ نہیں ہے۔ جی تو چاہتا ہے۔ کہ جس طرح پورن دھنی حضور مہاراج کرپاساگر نے سمجھایا تھا۔

وہ سب کا سب یہاں بیان کر دیا جائے۔ مگر نہیں صرف اُسی قدر سنانے کا خیال ہے جس قدر عام طبیعتیں قبول کر سکیں۔ کیونکہ یہ پیغام بھی صرف ان جیؤں کے واسطے ہے جو سنت مت کی ابتدائی تعلیم کے قابل ہیں ٭

رچنا کا نظارہ سمندر کے جوار بھاٹے سے مشابہ ہے۔ یا اس طرح سمجھو جیسے ہم باہر کی طرف اور اندر کی طرف سانس لیا کرتے ہیں۔ جب دھار کا رُخ باہر کی طرف ہے رچنا یا سرشٹی ہوتی ہے۔ جب وہ اندر کی طرف آتی ہے تب پرلے ہوتی ہے۔ اس طرح کا عمل پرواہ روپ سے ہمیشہ ہوا کرتا ہے۔ اور ہمیشہ ہوا کرے گا۔ اس کو چاہے جُگ جگانتر کی ورشٹی سے دیکھو یا کلپ کلپانتر کی درشٹی سے دیکھو۔ اس میں ابتدا اور انتہا کا خیال مشکل سے ہوتا ہے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے۔ کہ یہ مثال سرب انگ سے ہمارے مفہوم کا اظہار نہیں کرتی۔ مگر اس وقت اُس سے بہتر کوئی مثال بھی ذہن میں نہیں آتی۔ تاہم امید ہے کہ وہ کسی نہ کسی پیرایہ میں ہمارے مراد کی صراحت کر سکے گی۔ اور ہم کو اُسی پر نگاہ جما کر اُس کا

مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اُپنشد میں بھی ایک موقعہ پر اسی مثال کی مدد سے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے ؎

باہر کی طرف سانس اپنا سرشٹی ہے۔ سانس کا تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرنا سنتھتی ہے۔ اندر کی طرف سانس کا لوٹنا پرلے ہے یوگی کے ریچک۔ پورک۔ کمبھک میں بھی یہی عمل ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ بھی ایک جزوی اور فروعی مثال ہے۔ وہ دھارا ایک مرکز سے دوسرے پھر تیسرے اور چوتھے کو زندگی اور حرکت دیتی ہوئی چلتی ہے اُس کے پرواہ میں رچنا ہوتی ہے یہ مرکز یا گرہیں خواہ چکر اُس کے سلسلہ میں بنتے جاتے ہیں۔ کیونکہ یہی ظہور کے ذریعہ ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو پھر سُرت کو اظہار کا موقعہ نہ ملے۔ حرکت ہمیشہ دائرہ کی صورت میں ہوتی ہے۔ وہ دائرہ یوں تو گولا ہی ہوا کرتا ہے ممکن ہے کہیں وہ بیضاوی ہو خواہ اور طرح کی صورت اختیار کرے مگر ہوتا مدور ہی ہے۔ رچنا میں جتنی صورتیں نظر آتی ہیں۔ وہ سب بالعموم گول ہی گول ہوتی ہیں۔ جہاں ان گولوں سے دھار نکلتی ہے دیکھنے میں خط مستقیم کی صورت ہوتی ہے۔ مگر وہ جب مرکز پر ٹھہرتی ہے تو گول ہو جاتی ہے۔ سِفلی دل کو

دل مدّوری بولتے ہیں۔ اس کے درمیانی طبقہ میں یہی دل صنوبری کہلاتا ہے۔ اور پھر بالائی طبقہ میں اُس کا نام نیلوفری ہو جاتا ہے۔ نیلوفر ایک طرح کے کنول (کمل) کا نام ہے۔ ہم اپنی موجودہ حیثیت اور حالت کے لحاظ سے کوتاہ ہیں۔ کوتاہ اندیش اور کوتاہ نظر ہیں۔ اس لئے ہم کو ہر طبقہ کا جو علم ہوتا ہے۔ وہ بسیط نہیں ہوتا صرف جزوی ہوتا ہے۔ اس لئے قدرت کے مقصد غرض اور اس کے نظام کی خوبیوں کے سمجھنے میں عقل قاصر رہتی ہے۔ مگر ہم جس قدر وسیع نظری سے اس پر غور کرتے چلیں گے۔ ہم کو اس کا علم کچھ حاصل ہوتا چلے گا۔ اسی اظہار کی صورت کو سفلی طبقہ میں یوگیوں نے "کنڈلنی" کہا ہے۔ جو مول دھار پر اپنا چکر یا کنڈل باندھتی ہے۔ اوپر کے مقام پر اس کا مُنہ کھل جاتا ہے۔ جہاں سے روشنی پرگٹ ہوتی ہے۔ اس بیان میں بھی وہی مدّوری۔ صنوبری اور نیلوفری کا منظر موجود ہے۔ جس کا اظہار سہسرار پر ہوتا ہے:-

یہ کہنا کہ قدرت اندھی ہے اور اس کا کام اناپ شناپ ہوا کرتا ہے بالکل غلط ہے وہ مقصد سے

خالی نہیں ہے اگر مقصد کسی شئے ہیں۔ ہے تو وہ ہر شئے ہیں
ہوگا۔ "سمجھ بُوجھ ہم رچنا گھٹا نیں" ہ۔ قدرت کسی اعلیٰ طاقت
کے ماتحت ہے۔ اور وہ اعلیٰ طاقت روحانی۔ دلی۔ اور
جسمانی طبقات ہیں اپنے اصلی و عکسی حالت سے کام کر رہی
ہے۔ قدرت اُس وقت ہیں بیشک اندھی کہی جاتی۔ اگر
وہ اس طاقت کے سہارے پر کام نہ کرتی یہاں ہر
چیز منجھی اور تلی ہوئی ہے۔ کہیں لغزش بے اصولی
یا بے ترتیبی کا کام نہیں ہے۔ جدھر توجہ کا رُخ کرو گے
اُسی طرف ترتیب خوش اسلوبی اور باقاعدگی کا نظارہ
نظر آئے گا۔ کہنا سُننا دوسری بات ہے۔ جاننا اور
سمجھنا دوسری بات ہے۔ قدرت اس طاقت کی فرمانبردار
ہے جب تک اس قانون اور اُس کی ماہیت کی سمجھ نہیں
ہے۔ تب تک جو جی ہیں آئے کہتے رہو۔ جہاں اُس
کی سمجھ آگئی پھر ہر شئے ہیں عقل و عقلی ترتیب کا تماشا
نظر آئے گا۔ عُلما اور حُکما اور فیلسوف رات دن اسی
ادھیڑ بُن میں لگے رہتے ہیں وہ چاہتے بھی ہیں۔ کہ
اگر قدرت کے اصول کے اندھے ثابت کرنے کا سامان
ملے۔ تو وہ خوش ہو جائیں۔ مگر سامان ملے کیسے ؟۔
یہاں کہیں بھی دیوانگی کا کام نہیں ہے۔ قدم قدم پر

اُن کو ٹھوکریں ملتی ہیں۔ اور مجبوراً کسی نہ کسی وقت اُنکو اپنی ہیچمدانی اور نادانی کا اقرار کرنا پڑتا ہے؛

ہم جدھر توجہ کا رُخ کر کے سوچتے وچارتے ہیں۔ وہاں ہم کو تین حالتیں نظر آتی ہیں۔ خوبصورتی۔ دانائی اور غرض۔ ہاتھی کی سونڈ کیوں لمبی ہے؟ کیونکہ دوسری صورت میں وہ اپنی غذا سے محروم رہتا۔ اونٹ کی گردن کیوں لمبی ہے؟ کیونکہ اور حالت میں اس کا کام نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی طرح جتنے جانور دیکھو گے سب کی بناوٹ میں خوبصورتی عقل اور مقصد نظر آئیگا۔ ہر شے میں یہ تین وصف موجود ہیں۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ یہ کام کسی اندھے فاعل کے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ دانا بینا اور سمجھدار ہے۔ انسان کیسے کہتا ہے۔ اور کیسے کہہ سکتا ہے اور کیسے کہنے کی جرأت کرتا ہے۔ کہ اندھی قدرت کا کام ہے۔ جس نے اس کام کو کیا وہ دانشمند اور عقیل ہے؛

کیا خالق اور قدرت دو مختلف شے ہیں۔ شروع شروع میں تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور اگر در اصل ایسا ہی ہے تو پھر دو مختلف وجود کی ہستی کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ وہ ایک دوسرے سے مختلف نظر آتے ہیں۔

ایک زبردست طاقت ہے جو مادّہ کو جس صورت میں چاہتی ہے۔ اُسی کے سانچے میں ڈھالتی رہتی ہے۔ اُن کی مثال ایک کمہار اور مٹی سے دی جاسکتی ہے اور اگر یہ صحیح ہے۔ تو پھر ایک لامحدود اور مکمل ہستی کا خیال ہمیشہ کے لئے نظر سے غائب ہو جائے گا۔ محدودیت میں نقص ہے۔ محدود شے ناقص ہو گی۔ اور عقل تسلیم نہ کریگی۔ کہ اُن میں سے کوئی بھی سردویاپک یا محیط کل ہے۔ آخر اُن کی ہستی کا کسی نہ کسی صورت میں اندازہ کروگے یا نہیں اُن کے لئے کوئی جگہ بھی اپنے خیال میں دوگے یا نہیں مانا تم کہوگے لطیف صورت میں خالق مادّہ میں موجود ہے۔ جیسے لکڑی میں آگ۔ پانی میں نمی۔ پتھر میں سختی اور سورج میں روشنی رہتی ہے۔ اس پر بھی ہزار کوشش کرنے پر بھی دو شے کا وجود تسلیم کرنا پڑے گا اور نہیں تو یہ تو سمجھ میں آئے گا کہ ایک لطیف اور دوسری کثیف ہے۔ لطافت اور کثافت دو ہو گئیں جب دو ہیں تو اُن میں سے ایک بھی محیط کل نہیں رہی۔ اور دونوں ناقص اور محدود ثابت ہو گئیں۔ ہزار لطیف اور کثیف کے گن گاتے پھرو۔ دو کا خیال دل سے کبھی دور نہ ہو گا۔ اور جب خیال پر دو کی ہستی کا تصور مسلط اور

وادی ہو گیا تو سروویاپک کا خیال اسی طرح غائب رہیگا جیسے بانجھ کا لڑکا۔ آسمان کا پھول اور گدھے کے سینگ بات آسان ہے۔ ایک لڑکا بھی ذرا غور کرنے سے سمجھ سکتا ہے۔ اور نتیجہ نکال سکتا ہے اس لئے یا تو یہ کہو کہ نہیں۔ دو ہستی ہیں۔ ایک نہیں ہے اور دونوں میں سے کوئی بھی سروویاپک نہیں ہے۔ یا یہ ماننا پڑے گا کہ صرف ایک ہستی محیط کُل ہے اور وہ چشم ظاہر بین کے لئے دو پہلو لئے ہوئے نظر آتی ہے۔ ایک اُن میں سے مادہ ہے اور دوسری روح ہے۔ یا تو یہ خیال رہے گا یا وہ خیال رہے گا۔ اگر ایک صحیح ہے تو دوسرا غلط ہوگا۔ دونوں صحیح نہیں ہو سکتے ظاہری نگاہ والے کہتے ہیں کہ ہم کو دو نظر آتے ہیں۔ اور دو ضرور ہیں۔ کیسے ہم "ایک" مانیں اور ظاہراً وہ صحیح بھی معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اگر بالفرض وہ صحیح ہیں تو پھر اُن کے سروویاپک کا اصول غلط ہے۔ اس کے قدم اُکھڑ جاتے ہیں اور وہ کہیں نہیں ٹھہر سکتا؛

مگر یہ بات نہیں ہے۔ مادہ کی پیدائش خود خالق سے ہے وہ اس سے علیحدہ شئے نہیں ہے ہاں

اس میں دو پہلو ہیں مثبت اور منفی اور ان دونوں کے
رلنے ملنے سے رچنا ہوتی ہے۔ رچنا جب کبھی ہوگی دو سے
ہوگی۔ اکیلا ہاتھ نہیں بجتا اسی اصول پر دسشٹا دوین
کی تعلیم دیجاتی ہے۔ وہ تعلیم کیسی ہے۔ اس پر ہم کو
اس وقت وچار کرنے کا نہ تو وقت ہے نہ اُس کی
مزید صراحت کی خواہش ہے مقتضائے وقت کے لحاظ
سے ہم اس کو نگاہ کے سامنے رکھ کر اُسی کے سلسلہ
میں گفتگو کرتے ہیں:۔

دنیا عالم اسباب ہے۔ عالم اسباب میں ہر شے
کی صراحت صرف مثال کی مدد سے کیجاسکتی ہے۔ مثال
کا صرف ایک پہلو لیا جاتا ہے۔ اگر تمام پہلو سے اس پر
غور کیا جائے تو پھر وہ قابل تسکین ثابت نہ ہوگی مثال
صرف مثال ہے وہ صرف سمجھانے کے لئے پیشکش کیجاتی
ہے۔ یہ رچنا ایک ہی وجود سے اس طرح ظہور پذیر
ہوتی ہے جس طرح مکڑی اپنے مُنہ سے جالا پیدا
کرتی ہے۔ وہ کبھی اس جالے کو پیدا کرتی ہے۔
کبھی نگل جایا کرتی ہے۔ یہ جالے اسی سے پیدا
ہوتے ہیں اور اسی میں پھر جذب ہو جاتے ہیں۔
کیونکہ یہ اصل میں اس سے ہیں۔ اور اس میں ہیں۔

بات ذرا باریک ہے۔ سمجھنا اس قدر آسان نہیں ہے اور سمجھ کر عقل کو اس پر ٹھہرانا اور بھی مشکل ہے۔ ہم صرف سچائی کے اظہار کی اپنے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں کوشش کر سکتے ہیں۔ حقیقت تک رسائی صرف اس وقت ہوتی ہے۔ جب ابھیاس کی مدد سے عقل لطیف ہو کر بھرم کے پردوں کو پھاڑ دیتی ہے۔ اس لئے سنتوں کی تعلیم کے بموجب ہمارا وشواس ہے کہ تمام محدود حالتیں محدود مخلوقات۔ محدود موجودات اسی ایک سے نکلتی اور پیدا ہوتی ہیں۔ اور اُسی میں قائم رہ کر پھر اُسی میں سما جاتی ہیں۔ یہ رچنا کس غرض سے ہوتی ہے۔ اس سوال کا جواب دوسرے پیغام میں دیا جائے گا۔ رچنا کسی خاص سبب سے ہوتی ہے وہ یوں ہی نہیں ہے ؛

تینتیسواں پیغام

سرشٹی پرلے کی ضد ہے

ہر ہستی کا دار و مدار مالک کل پر ہے۔ اس لئے صاف لفظوں میں کسی قدر اس کے سمجھانے کی کوشش اس

موقعہ پر مناسب ہوگی۔ اور اُس پر غور کرنے سے رچنا کا راز خود بخود سمجھ میں آجائے گا۔

سنتوں نے فرمایا ہے کہ رچنا میں دو خاص قسم کے منڈل ہیں ایک مثبت ہے۔ دوسرا منفی۔ مثبت میں روحانیت بہت ہے دوسرے میں ادنیٰ درجہ کی ہے ان دونوں منڈلوں کا باہمی تعلق ہے۔ اور اس باہمی تعلق کی وجہ سے روحانیت کی دھار اُس ایک سے دوسرے میں آتی اور جاتی رہتی ہے۔ اور اسی دھار کے آنے جانے کا نام رچنا ہے۔ اگر یہ دو منڈل نہ ہوتے تو رچنا غیر ممکن ہوتی ہے۔ پہلے منڈل میں روحانیت کی ستّا یا طاقت کا متحد خزانہ ہے۔ دوسرے کی یہ حالت نہیں ہے۔

یہی پہلا منڈل پُرش کا سر اور دوسرا اُس کا پاؤں کہا جاتا ہے۔ قدیم مذہب کے پیشوا اُس کو دِیَو کہتے ہیں۔ اور دوسرے کو "بھومی" کہا گیا ہے۔ ان کے درمیان کی حالت کو "انترکش" بتایا ہے "دِیَو" اور بھومی یہ دو منڈل ہیں۔ "دِیَو" میں ستّا متحد حالت میں ہے جس کے لئے پولارائیزیشن آف انرجی کی انگریزی اصطلاح زیادہ وضاحت کے ساتھ ہماری مراد کا

اظہار کرتی ہے۔ یہ حالت ہمارے جسمی نظام کی بھی ہے اور ہمارے اپنے سر اور پاؤں ان منڈلوں سے مشابہ کئے جا سکتے ہیں ستا سر کی طرف سے دھار روپ ہو کر نیچے کی طرف اُترتی ہے تب نیچے کے عضوؤں میں طاقت آتی ہے سر میں ستا بہت ہے نیچے کے اعضا کی طرف نہایت ادنیٰ درجہ کی ہے۔ اور اگر وہ دھار روپ ہو کر نیچے نہ اُترے۔ تو پھر یہ مُردنی اور مجہولیت کی حالت میں پڑے رہیں ؛

انھیں دونوں منڈلوں کی کیفیت کے سمجھ لینے سے رچنا یا ظہور کی وہ تین حالتیں کسی قدر سمجھ میں آسکیں گی جن کی چودھویں۔ پندرھویں۔ سولھویں اور سترھویں پیغاموں میں صراحت کی گئی ہے۔ اور جن میں تین مقام اور ان کے بالترتیب چھ حصّوں کی تشریح ہے۔ جو ایک میں ہے وہی اوروں میں بھی ہے۔ صرف روحانیت کا فرق ہے ؛

اب یہاں پر پھر اُسی بات کا اعادہ کیا جاتا ہے کہ قدرت کی تمام طاقتوں کے اظہار کے تین مقامات یا تین حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک تو وہ ہے جو اصلی شئے یا اصلی طاقت کا بھنڈار ہے۔ دوسری وہ ہے

جو اوتار ذریعہ یا وساطت کا کام دیتی ہے۔ تیسری وہ ہے جس پر اس طاقت کا کام ہوتا ہے۔ اگر غور سے دیکھو گے تو ہر جگہ یہ تین حالتیں بلا استثنا کام کرتی ہوئی نظر آئیں گی۔ اور کوئی قدرت کی طاقت خواہ وہ بجلی ہو۔ روشنی ہو یا اور کوئی ہو اُن سے خالی نہ نظر آئیگی۔ جب نظام قدرت میں تثلیث کا یہ نظارہ ہر جگہ موجود ہے۔ اور ساتھ ساتھ ہمارے جسمی نظام اور جسمانی کاروبار میں نظر آرہا ہے۔ تو پھر رچنا میں کیوں نہ ہوگا۔ اسی طرح کا کاروبار سارے گیان اور کرم اندریوں کے طبقات میں بھی موجود ہے۔ اگر اور طرف نگاہ نہ جائے تو آنکھیں پر اس کو جماؤ خود بخود سمجھ جاؤ گے۔ اور حقیقت کا پتہ مل جائے گا۔ دو یہ انترکش اُور بھومی ہر جگہ ہیں۔

سب سے اونچا ستھان جس کو سمجھانے کی غرض سے سنت پرش کے سر سے مشابہ کہا ہے۔ روحانیت کا بھنڈار ہے۔ اس میں خالص روحانیت ہے اور سب سے نیچا ستھان مادہ کا طبقہ ہے جس میں صرف ادنیٰ درجہ کی روحانیت ہے۔ درمیانی حالت روحانیت اور لطیف مادہ کے آمیزش کی او

جہاں اور جس جگہ چاہو۔ کاٹ چھانٹ کرتے ہوئے
اس کو دیکھو۔ آپ ہی پردہ اُٹھ جائے گا۔ اور حقیقت
کا مشاہدہ ہو گا۔ ان دو منفی اور مثبت منڈلوں کے
کاروبار کی وجہ سے رچنا ہوتی ہے ؛

روحانیت کی دھار ست لوک سے اُتر کر بھنور گپھا
میں آئی۔ اس نے مہاسن کے ستھان میں ٹھہر کر برہمانڈ
کو رچا۔ جس میں برہمہ کے سہارے سارا کاروبار
ہوتا ہے۔ اس برہمانڈ میں خالص روحانیت اور لطیف
مادیت ہے اور وہ دھار برہمانڈ کے چھ طبقوں میں
کام کرتی ہے جو اوپر سے لیکر ترکٹی اور سہس دل کنول
تک ہے۔ پھر جو روحانیت کی دھار اس لوک کے
قابل نہیں تھی اور اس میں جذب ہونے اور متماثل
ہونے کی قابلیت نہیں رکھتی تھی نیچے پنڈ دیس میں
اُتری اور یہاں کی رچنا کا کاروبار کرنے لگی۔ اس نے
چھ نیچے کے چکروں میں اپنا عمل دخل کیا۔ وعلیٰ ہذا القیاس
سُرت کی دھار کے اس اُتار کا نام رچنا ہے۔
اور جب اُسکا سمٹاؤ اور اوپر کی طرف کھچاؤ ہوتا ہے۔
تب وہی پرلے کہلاتا ہے اُن کے درمیانی بیوہار
کو استھتی کہتے ہیں۔ "اُتپتی" "استھتی" اور "پرلے" کی

یہ مختصر کہانی ہے رچنا کرنے والی دھاروں کے اُتار کے وقت ہر جگہ گر ہیں اور منڈل بنتے ہیں جو اپنے جیوؤں اور جانداروں کے مسکن اور جائے قیام ہوتے ہیں۔ اور جن کی روحانیت ان جانداروں کی موجودہ حالت کے موافق ہوتی ہے اور وہ بھی تینوں حالتوں کے ساتھ ساتھ اپنا بیوہار کرتے ہیں۔ سمٹاؤ کے وقت پھر یہ چکر سُرت کے کھچنے کی وجہ سے بیجان ہو جاتے ہیں اور پھر ان میں بربادی آجاتی ہے۔ ان کا مصالحہ اپنے اپنے منڈل میں لَے ہو جاتا ہے جیسے رچنا ہوتی ہے۔ ویسے ہی پرلَے ہوتی ہے۔ ایک میں اُتار دوسرے میں سمٹاؤ ہے جیسے جیسے اُتار ہوتا ہے۔ ویسے ہی سمٹاؤ بھی ہوتا ہے یہ بیوہار کس طرح ہوتا ہے۔ ذیل کے شبد میں جو "سارکن رادھاسوامی" نظم سے اخذ کی جاتی ہے اس کا واضح بیان ہے ؛

پنڈ پرلَے۔ یعنی جسم کی موت کا منظر

کال کیا جب تن پر ویش (موت)	؛	پھر چالیچ پھر پر ویش
مول دوار پرتھوی کا باس	؛	کھچا وہاں سے سوالنس اور پیاس
کھچکر آیا اندری دوار	؛	وہاں سے پہنچا نابھ منجھار

نابھی سے کچھ ہردے آیا ؞	ہردے سے پھر کنٹھ سمایا
پرتھوی - جل - اگنی اور پون ؞	کنٹھ ماہیں لگی روندھن ہون
چاروں تتو بھاس اور سوانس ؞	یہاں سے چلے کھچے آکاس
دو دل کنول کال کے دیس ؞	کرم انوسار کہاں پردیس

اس کا لب لباب یہ ہے کہ جب کال آتا ہے جیو کو یہ دیس چھوڑنا پڑتا ہے - پہلے کھچاؤ گدا چکر سے شروع ہوتا ہے پاؤں اور ٹانگوں کی ستّا کھچکر مد چیتن کے بھاس کے اندری چکر میں آتی ہے پھر وہاں سے نابھی چکر میں کھچتی ہے - ہردے سے کنٹھ چکر میں کھچاؤ ہوتا ہے - جہاں ان تتّوں کا روندھن ہوتا ہے اور وہ آکاس میں لے ہوتے ہیں - پھر آگے تری نیتر میں ہو کر کرما نو سار جونی کو پراپت ہوتے ہیں ؞

برہمانڈ کا پرلے

اب پرلے کا بھاکھوں لیکھا ؞	جیں سمٹاؤ جگت کا دیکھا
کال آئے جیوں کو گراسا ؞	جیو سمانے کال کی سوانسا
وہی کارج پرتھوی ہوئی ؞	پرتھوی نے گرسی بن سوئی
پرتھوی گھولی جل نے آئے ؞	جل کو سوکھا اگنی دھائے

اگنی ملی پون ہوا کے روپ ٭ پون ہوئی آکاش سروپ
آکاش سمانا مایا مانہہ ٭ تم روپا دیکھے کچھ ناغم
مایا رلی برہمہ ہیں جائے ٭ شکتی شیو میں گئی سمائے
شیو پہنچے اونکار منجھار ٭ اونکار سمائے سن کے دوار
سن کیا مہا سن لواس ٭ بھنور گپھا مہا سن کا باس
یہاں تک پرلے کبھی کبھی ہوئی ٭ ست لوک کا دوارا سوئی
پرلے گئی آگے نہیں بھائی ٭ ست لوک میں کبھی نہ جائی

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب پرلے آتی ہے۔ تو سب سے پہلے پرتھوی بگڑنا شروع ہوتی ہے پرتھوی بگڑ کر جل میں لے ہوتی ہے۔ جل اگنی میں لے ہوتا ہے۔ اگنی وایو میں لے ہوتی ہے وایو آکاش میں۔ آکاش مایا میں لے ہوتا ہے۔ جس میں اندھکار ہے مایا پھر جوت نرنجن میں لے ہو جاتی ہے۔ جوت نرنجن اونکار میں لے ہوتے ہیں اونکار سن میں۔ سن مہا سن میں۔ مہا سن بھنور گپھا میں لے ہوتا ہے یہاں تک پرلے ہوتی ہے یہ بھنور گپھا ستیہ لوک کا ناکا ہے۔ اس کے لئے پرلے نہیں ہے ٭

اُتپتّی

سب کی آدی کہوں اب سوامی ⁘ آلکھ آگادھ اُپار انامی
تن سے اگم پُرش پرگٹائے ⁘ اگم لوک میں آسن لائے
الکھ پُرش کا ہوا اُجالا ⁘ الکھ لوک ان چوکی ڈالا
پھر ست نام پُرش ست سوئی ⁘ ستیہ ستیہ رچنا جہاں ہوئی
ستیہ لوک وہ دھام سوہیلا ⁘ ہنس کریں جہاں اچرج کیلا
ان لوکن کی مہما بھاری ⁘ کہوں کہا ادبھت بستاری
سہس اٹھاسی دیپ لواس ⁘ ہنس کریں جہاں سدا بلاس
سکھ کا دھام سدا سکھ وہاں ⁘ دُکھ کلیش کا نام نہ وہاں
نئی نئی لیلا سدا آنند ⁘ ہنس کریں نت پرمانند
امی اہار بھوگ پرچنڈ ⁘ پنچ کھنڈ وہ دھام اکھنڈ
تہاں سے بھنورگپھا رچ راکھی ⁘ سوہنگ پُرش نام کہہ بھاکھی
مہاسُن یک رچا ٹھکانا ⁘ دیپ اچنت مہا سیدانا
تس کے نیچے سُن بلاس ⁘ اکشر دیپ رکار پرکاس
وہاں سے رچا ترکُٹی دھام ⁘ اونکار کا جہاں لبرام
وید کتیب کا یہی مقام ⁘ ترلوکی کا کارن دھام
جھنجری دیپ کی رچن رچائی ⁘ ترگُن کال کی جہاں ٹھکرائی
گُن تینوں یہاں سے اُپنانے ⁘ برہما وشنو مہیش کہانے

یہاں سے سرگن رچا پسارا ॥ چار کھان اپتی دستارا
مطلب واضح ہے۔ اس لئے تشریح نہیں کی جاتی ॥

.......٭.......

چونتیسواں پیغام

رچنا کا فائدہ اور اُس کا فضل اور برکت

جب نہ یہ "تھا" نہ "وہ" تھا۔ من اور مایا کچھ بھی نہیں تھے۔ "حقیقت" اپنے آپ میں تھی۔ جس کا انبھو کچھ اُن مُن، سمادھی میں ہو سکتا ہے۔ "حقیقت" دگیان۔ پرکاش علم اور سرور تھی وہ کسی کے ادھار پر نہیں تھی وہ نرادھار تھی۔ آپ اپنے سہارے تھی۔ "حقیقت" کے لئے کسی کا سہارا نہیں ہے۔ وہ اوروں کی سہارا ہے ॥

اپتی کے لئے موج اُٹھی۔ اس موج میں کئی رنگ کی دھاریں پیدا ہوئیں جو نیچے کی طرف اُتریں۔ اُن میں سے کوئی کسی رنگ کی تھی کوئی کسی رنگ کی۔ ان میں سے جو خاص کر بیان کرنے کے قابل اور اس موقعہ کے لئے ضروری ہیں وہ تین ہیں۔ سفید۔ زرد۔ (بھورا) اور سیاہ۔ سفید رنگ تو شرت کی دھار کا ہے سیاہ رنگ مایا کا ہے اور زرد (بھورا) من کا ہے

درمیانی دھاروں کے رنگ جدا جدا ہیں۔ من اور مایا بطور خود رچنا نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے اُن کو شرت کے مدد کی ضرورت ہوئی جب یہ تینوں ملے۔ تب اُن کے میل سے رچنا ہوئی۔ اور لوک لوکانتر بننے شروع ہوئے۔ اور اُنھیں دھاروں کی وجہ سے تمام نظام شمسیان۔ سورج چاند ستارے وغیرہ معہ اپنے لوک باسیوں کے پرگٹ ہوئے ہر نقطہ یا چکّر بطور خود ایک مرکز ہے۔ اور اُس کے اردگرد اُس کی دنیا گھومتی رہتی ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ یہ نورانی اجرام مردہ ہیں۔ نہیں یہ زندہ وجود ہیں اور اُن کے جیو جنتوؤں کو اُن ہی سے زندگی اور حرارت بہ شکل مختلف ملتی ہے۔ رچنا قدرت میں ہر جگہ ہے۔ کوئی اُس سے خالی نہیں ہے سوکشم سے سوکشم منڈل میں بھی رچنا ہے اور وہ اُس کے مطابق ہے۔ اور وہاں روحانیت ہر جگہ اپنا تماشا کرتی ہے۔ ہمارے جسم کے تمام چکروں کا بھی یہی حال ہے۔ ساری رچنا ایک بہت لمبی چوڑی اور بے حد حساب کڑیوں والی زنجیر ہے۔ جن میں بے شمار سلسلے ہیں یہ سب سلسلے ایک دوسرے سے مسلسل گتھے ہوئے ہیں۔ اور رچنا کی طاقت کی دھار سب میں

نور شور کے ساتھ گونج رہی ہے۔ اُن کی دو حالتیں ہیں
ایک بالواسطہ دوسرے بیواسطہ۔ بالواسطگی یا تعلق
کے نقطۂ نگاہ سے تو وہ ایک دوسرے کے ساتھ
گتھی ہوئی ہیں۔ اور جس کے لئے ہم نے بیواسطگی
کا لفظ گھڑا ہے۔ اس کی نظر سے وہ ایک دوسرے
سے بے تعلق ہیں۔ تعلق اور بے تعلقی کو صرف اصطلاحی
اور نسبتی الفاظ کی حیثیت میں سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ اصل
میں جو کچھ ہے وہ ایک ہے۔ جہاں تک ایک وجود کی
فردیت اور محدود ذاتی حیثیت کا خیال ہے۔ وہاں تک
اس کی شخصیت اور شخصی حالت تسلیم کرنی پڑتی ہے۔
اور اپنے تنگ دائرہ میں وہ پردھان اور مکھیہ سمجھی
جاتی ہے۔ باقی اس کا اور نظر سے دوسروں کے ساتھ
تعلق ہے۔ مثلاً آنکھ اپنے بصارت کے منڈل
میں شخصی فردی اور ذاتی حیثیت رکھتی ہے۔ مگر دوسری
اندرونی شکتی کے تعلق کی وجہ سے جو اُس کو طاقت
دے رہی ہے۔ اُس کا اس کے ساتھ میل ہے۔
یہی کیفیت تمھارے جسم میں تمام اندریوں کی ہے۔
جو حال اندریوں کا ہے وہی حال لوک کا نتروں کا
بھی ہے۔ کیونکہ وہ بھی کسی نہ کسی قسم کی خدمت کا

کام اس رچنا میں انجام دیتے رہتے ہیں۔ الغرض رچنا کی زنجیر کچھ ایسی بیحد و حساب ہے۔ کہ اس کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ جس طرح ایک خاندان کے مفرد آدمی اپنی فردی حیثیت رکھتے ہوئے ایک ہی خاندان کے رشتہ میں گتھے ہوئے ہیں۔ اُسی طرح تمام جگت کے منڈل لوک اور نظام شمسیوں وغیرہ کو سمجھنا چاہیئے۔ اور مجموعی حیثیت سے وہ ایک ہو جاتے ہیں۔ سرت ان سب میں محیط کُل ہے۔ اور یہ سب سُرت کے سہارے اپنا اپنا کام کر رہے ہیں۔ اور اُس کی اُوپر نیچے کی بہاؤ سب کو زندگی اور حرکت دے رہی ہے ؛

مثال کے طور پر ایک نارنگی کو لے لو۔ جو گولی شکل کی ہے۔ سب سے اوپر موٹا چھلکا ہے۔ اُس کے تلے ایک جھلی ہے۔ جھلیّ کے تلے اور جھلیّ میں لپٹے ہوئے زیرے اور بیج وغیرہ پڑے ہیں۔ ان سب کے درمیان کسی جگہ سُرت کا مرکز ہے۔ جس کی موجودگی اور وجود سے یہ سب زندہ ہیں۔ جتنی حالتیں بیان کی گئیں وہ سب رنگ و روپ والی ہیں۔ سرت نظر نہیں آتی۔ وہ رنگ و روپ سے

پرے ہے۔ پیاز کے چھلکے شروع سے آخر تک اُتارتے جاؤ چھلکے ہی چھلکے نظر آتے ہیں۔ اور کچھ نہیں اُس کے مرکز میں بھی سُرت ہے۔ جس سے نمی تازگی اور تری رہتی ہے اسی طرح برہمانڈ میں چھلکوں پر چھلکے چڑھے رہتے ہیں۔ جیسے ہمارے جسم پر کتنے قسم کے خول چڑھے ہوئے ہیں۔ یہ چھلکے اور خول بطور خود رچنا کے منڈل ہیں۔ اور جس طرح نارنگی میں زیرے وغیرہ کی مثال دیگئی ویسے ہی اُس میں ثوابت سیارے ستارے شمس و قمر وغیرہ ہیں۔ جب تک اندر سرت کی دھار ہے۔ تب تک سب میں زندگی ہے۔ جہاں وہ کھسکی سب کے رگ و ریشے ڈھیلے پڑ گئے۔ اور وہ بے جان بن گئے سُرت کی موت نہیں ہے وہ امر اجر اور ابناشی ہے*

جو کچھ تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں وہ نیچے ہی کے طبقوں میں ہیں اوپر تبدیلی کا نام و نشان نہیں ہے اور نہ اس میں پرلے ہوتا ہے۔ اور نہ وہ مرتا ہے اور مرے کیسے! تمہاری سرت اس سمندر کی صرف ایک بوند ہے۔ اُس کو بھی موت نہیں آتی۔ ذرا اپنی موت کا آپ دھیان تو کرو۔

مرنے کا تصوّر کبھی دل میں آئے گا نہیں۔ خودکشی کرنے والا اپنے آپ کو نہیں مارتا اپنے جسم کو مارتا ہے اور موجودہ ناخوشگوار تبدیلی کا خواہشمند رہتا ہے۔ بس یہی جذبہ اُس میں ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ کیونکہ آتما لافانی۔ لا یتبدّل اور لایموت ہے ؛

یہ تمام پنڈ۔ برہمانڈ۔ سورج اور چاند ستارے ایک اعلیٰ اور زبردست مرکز کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ جو سب کا بھنڈار ہے اور جو جب کوئی کرّہ کسی زبردست نورانی سورج یا کرّہ کے مدمقابل ہوتا ہے تو اس کی حالت میں خاص قسم کی تبدیلی آجاتی ہے اور خاص قسم کی طاقت بھی آتی ہے۔ اور اسی مدمقابل ہونے کی وجہ سے اونچے کے لطیف حس والی روحیں کبھی کبھی نیچے کے کرّوں میں آجاتی ہیں۔ وہ اپنی تعلیم سے اور اپنے اثر سے یہاں کے جیووں کو بہت کچھ فائدہ پہنچا دیتی ہیں۔ انبھوی رُوحیں جن کے عقلی و دماغی کاروبار کو دیکھ کر دنیا حیران ہو جاتی ہے۔ اسی طرح یہاں اس زمین میں پیدا ہوتی ہیں۔ اُن کو پڑھنے لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ معمولی اشارہ پانے سے اُن کے لطیف کرّہ کے سنسکار

جاگ اُٹھتے ہیں - اور خاص قسم کے عجیب و غریب کام کر گذرتے ہیں اور اُن کی مدد سے ہتوں کا بیڑا پار ہو جاتا ہے جس وقت ہمارا کُرّہ ارض چکر لگاتے ہوئے برہمانڈ کی ترکٹی یا اونکار کے کرّہ سے دو چار ہوتا ہے اسی طرح کی پاک شخصیتیں اس میں پیدا ہو جاتی ہیں - بالکل اسی طرح جب ایک خط مستقیم میں ، درمیانی موافق کرّوں کے ساتھ زمین کا تعلق خالص روحانی اور مرکزی طبقہ سے ہوتا ہے - تب سنت اور پرم سنت پرگٹ ہوتے ہیں اوران کا ظہور بے شمار زندگیوں کے بہتر اور خوشتر تبدیلیوں کا باعث ہوتا ہے - جو لوگ روحانی معاملات سے بے خبر ہیں - وہ اس بیان پر مضحک اُڑائیں گے - کیونکہ اُن کو سُرت کی اصلیت کا علم نہیں ہے - جو روحانیت کے رموز سے واقف ہیں وہ ان تعلقات کو زیر مطالعہ رکھ کر اصلیت کے جاننے کے شائق رہتے ہیں - تم دیکھو ایک آدمی دنیا میں آتا ہے - قوم اور ملکوں کی حالت اُس کے ظہور سے پلٹ جاتی ہے - تواریخ کا صفحہ اُلٹ جاتا ہے کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے - کیا وہ آدمی اس کرّہ کے مصالحہ سے بنا تھا ؟ سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ انسان کس طرح بہ آسانی لاکھوں زندگیوں کو ایک رُخ کی طرف

کر دیتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اُن کے ظہور پذیر ہوتے ہی کرۂ ارض میں خاص قسم کے خیالات کی دھاریں جو اس وجود سے مخصوص تھیں دوڑ پڑتی ہیں۔ ہر جگہ پھیل جاتی ہیں۔ موافق طبیعتیں ان سے متاثر ہو جاتی ہیں۔ اور یہ اثر کچھ اس قسم کا دیرپا ہوتا ہے کہ لوگ اُن کے پیچھے اپنی جان تک کو دیدینا گوارا کرتے ہیں۔ مگر اس خیال کو نہیں چھوڑتے۔ کیونکہ اُس خیال میں بجلی کی طاقت اور زندگی ہوتی ہے۔ دنیا میں خیال ہی کی حکومت ہے۔ اہل خیال ہی اصلی حاکم ہیں۔ چاہے اہل خیال دنیاوی حالت کے لحاظ سے جھونپڑوں کے رہنے والے ہوں۔ مگر وہ عوام کے دلوں کی روح اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں ان کا تخت گاہ انسان کا دل ہوتا ہے۔ اُن کی ایک ایک بات دلوں کے درمیان اثر پیدا کرنے میں بجلی کا خواص رکھتی ہے۔ اُن کی زندگی خود شمع بزم طریقت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے ظاہر ہوتے ہی دنیا میں روحانیت کا سیلاب آجاتا ہے وہ کچھ تو اپنا کام کر جاتے ہیں۔ جو اُن سے ملے اُن کا کام بن گیا۔ اور پھر اُن کا کام بنے ہوؤں کے ذریعہ اور بہت سے آدمیوں کا کام بن جاتا ہے۔ اور معمولی سے معمولی آدمیوں کے حصہ میں روحانیت

آجاتی ہے۔ جاہل عالموں کے کان کاٹنے لگتے ہیں۔ نادان دانا ہو جاتے ہیں اُن کا انبھو بڑھ جاتا ہے۔ اور انبھو کی بات تو کسی کتاب سے بھی حاصل نہیں ہوتی۔ یہ اس رچنا کے سلسلہ کا بہت بڑا فائدہ ہے۔ کیونکہ اگر رچنا نہ ہوتی تو پھر جو سفلی طبقہ والے صرف ادنیٰ روحانیت رکھتے ہیں اُن کو سنتوں اور مہاتماؤں کے فیضان صحبت کے اثر سے محرومیت رہتی گویا تاریک سے تاریک جگھوں میں روحانیت کی روشنی پہنچتی رہتی ہے اور جیووں کا کام بنتا رہتا ہے؛

صرف اعلیٰ درجہ کی ترقی کردہ روحوں ہی کا کُرتوں میں اس قانون کے مطابق نزول نہیں ہوتا۔ بلکہ خاص قسم کے غیر معمولی جانور تک جو اور کُرتوں سے مخصوص ہیں۔ کُرتوں کے اس مد مقابل میں آجانے سے ان میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ وقتاً فوقتاً ان کا ظہور اسی طرح پر یہاں ہو جایا کرتا ہے۔ اب جب کبھی کوئی محقق کسی ایسے قسم کے جانوروں کی مردہ ٹھٹھریاں برفستان میں گڑی ہوئی پاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس قسم کے جانور پہلے دنیا میں رہتے تھے۔ اب اُن کی نسل صفحہ ہستی سے غائب ہے۔ وہ چونکہ اس راز سے

واقف نہیں ہوتے۔ یا تو اُن کو مردہ نسل سے شمار کرتے ہیں۔ یا ایسا اوقات قدرت کی غلطی یا لغزش خیال کرتے ہیں۔ اور طرح طرح کی باتیں گھڑتے ہیں ؛

یہ بہت بڑا فائدہ ہے جو رچنا میں ہوتا ہے۔ اوتار صرف برہمہ لوک یا سنت پد ہی سے یہاں نہیں آتے۔ بلکہ اندر کروں کے مخلوق بھی اسی قانون کے زیر اثر کبھی کبھی آجاتے ہیں۔ ہاں ان دونوں کا خصوصیت کے ساتھ خیال کیا جاتا ہے ؛

اس مضمون کو یہاں مزید صراحت کے ساتھ بیان کرنے کا موقعہ نہیں ہے جو حضرات چاہیں وہ ابطور خود سنتوں کی بانی پڑھ کر اپنی معلومات میں اضافہ کر سکتے ہیں ؛

پینتیسواں پیغام

ابھیاس کی بدھی

ہم ابطور یاد دہانی ست پرش رادھا سوامی صاحب کی زبان میں اُس کی بدھی کھول کر لکھتے ہیں :-

پانچ نام کا سمرن کرو ؛	شیام سیت میں سورت دھرو

بھر تم سنو گگن ہیں باجا ॥ گھنٹہ شنکھ چھانٹ دُھن گاجا
سوس ول کنول بوت لکھائی ॥ بنک نال ہیں چلے سمائی
بنک پار ترکٹی ہیں گئی ॥ اوم اونکار اور رنگ دھن لئی
آگے پہنچی سُن منجھارا ॥ ررنکار دھن سنی پکارا
کنگری اور سارنگی بجنی ॥ مان سرور چڑھ چڑھ گئی
آگے مہاسُن میدانا ॥ جہاں چار دُھن تمر سمانا
بھنور گپھا تا اوپر دیکھی ॥ سوہنگ بنسی بجتی پیکھی
تا کے پرے دھام ست نانا ॥ بین بجے ست لوک ٹھکانا
سنت سُرت پھر آگے چڑھی ॥ الکھ لوک ہیں جا کر ٹھہری
کوٹ ارب سورج اُجیارا ॥ الکھ پرش دیبت چھبی دھارا
تہاں سے الکھ لوک کو چلی ॥ اگم پُرش سے جا کر ملی
کھربن چند - سور پرکاشا ॥ دُھن کا وہاں کی اگم بلاسا
دُھن کا برنن کیسے گاؤں ॥ جگ ہیں کوئی درشانت نہ پاؤں
تا کے آگے رہت انامی ॥ تنج گھر سنتن برنا سوامی

....

بن ستگور کوئی بھید نہ پاوے ॥ ستگور سو یہ دیش لکھاوے
ستگور کی مہما اتی بھاری ॥ کوئی بکھانے بیچ بیچ ہاری
کوئی کوئی جیو کریں بسواسا ॥ اُن پرتیت وہ دھاریں آسا
سنت بچن جو سمجھا مانیں ॥ اس پاؤ کے بھید جانیں

چھتیسواں پیغام

مربعات اور تثالیث۔ سرسری نظر

عام طور پر ہر جگہ صرف تین پد کا ذکر و فکر رہتا ہے علم کا بھی یہی حال ہے عام مذاہب کی بھی یہی کیفیت ہے سنتوں ہیں چوتھے پد کا ذکر بار بار ہر جگہ آیا کرتا ہے۔ اسی کی طرف اور اسی کی تکمیل کی طرف ہدایت کی انگلی اُٹھائی جاتی ہے ؛

تین چھوڑ چوتھا پد دیکھا ؛ ستّ نام ستگور گت چینھا

تین پد یعنی تثلیث اور تین حالتوں کا ذکر تو اوپر کئی جگہ آگیا ہے۔ بار بار کہا بھی گیا ہے کہ ہر وجود کے کام کے تین ستھان ہوتے ہیں ایک تو وہ وجود۔ دوسرا اوزار۔ تیسرا کام کا طبقہ یہ ہر جگہ نظر آتا ہے تثلیث سے خالی کوئی بھی نہیں ہے۔ مگر ان کے سوا ایک چوتھا پد بھی ہے جو سب کا آدھار اور سب سے سرلیشٹ ہے جب نظر ان تینوں کے پرے پہنچتی ہے۔ تو چوتھے کی پراپتی ہوتی ہے۔ پھر وہاں اُس ہیں ترپٹی اور تثلیث کا الجھاؤ ہوتا ہے۔ اور نظر کثرت قلت اور وحدت سے ہٹ کر ایک ایسی منزل کی طرف چلی جاتی ہے

جہاں پھر اُن کا وچار نہیں رہتا۔ وہ کیا ہے۔ کہنے سننے کا مضمون نہیں ہے۔ گو زندگی کے ہر ایک محکمہ میں اس کو بھی نظر کے وسیع کرنے کے لئے شامل کر لیا گیا ہے۔ تا کہ حقیقت کی طرف نگاہ جائے جن چھٹے پدوں کا اکثر ذکر کیا جاتا ہے۔ ان کا شمول بھی یہاں رہتا ہے۔ مگر مطلب ان کا صرف یہ ہے کہ کسی طرح نگاہ اس پر لگے۔ اور بس۔ جب ساکشاتکار ہو جاتا ہے تو پھر کہنے سننے کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہم کو خوف ہے کہ کہیں ہمارے اس فہرست کو دیکھ کر لوگ بھڑک نہ جائیں۔ اور کچھ کا کچھ نہ سمجھنے لگیں۔ تاہم ان کی مجملی صورت پیش ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ سطح بین نگاہیں حقیقت کی طرف کم جاتی ہیں۔ اس لئے کہیں کہیں سنتوں نے ایسا بھی کہہ دیا ہے کہ اوروں کے چوتھے پد سے سنتوں کا چوتھا پد نیارا ہے۔

ذیل میں ان کے چند نام دیئے جاتے ہیں طالب حقیقت کو مغز سخن سے کام رکھنا چاہئے۔ اور بس لفظوں پر جانے سے الجھن کے سوا اور کچھ نہیں رہتا ان کی مختصر صورت یہ ہے۔

. . . .

نمبر شمار	نام	تثلیث کے تین مدارج	چوتھا پد	کیفیت
(۱)	ورن بھاگ	شودر - ویش - کشتری	برہمن	برہمن پد دونوں سے اونچا ہے
(۲)	آشرم بھاگ	برہمچریہ گرہست ون پرست	سنیست	سنیست میں آشرم نہیں ہے
(۳)	اوستھا بھاگ	جاگرت سوپن سوشپتی	تُریا	تریا تینوں کے پرے ہے
(۴)	وچار بھاگ	شرون منن ندھیاسن	ساکشاتکار	؍؍
(۵)	اندریہ گیان	پرمان - الوقان - شہید	سار شہید	؍؍
(۶)	جگ بھاگ	کلی - دواپر - تریتا	ست جگ	روحانیت کی زندگی
(۷)	پنتھ بھاگ	کرم اُپاسنا گیان	وگیان	؍؍
(۸)	دیو بھاگ	برہما - وشنو - مہیش	آدی دیو (برہم)	؍؍
(۹)	برہم وبھاگ	ہرنیہ گربھ ادیاکرت - وراٹ	پر برہم	؍؍
(۱۰)	سرشٹی وبھاگ	جڑ - جیو - ایشور	چیتن (ماتر)	؍؍
(۱۱)	وید بھاگ	اتھرو - یجو - رگ	سام	؍؍
(۱۲)	پرپنا وبھاگ	سرشٹی استھتی پرلے	آتم پد	؍؍
(۱۳)	گُن وبھاگ	تم - رج - ست	پردھان	؍؍
(۱۴)	من وبھاگ	من - چت - اہنکار	بدھی	؍؍
(۱۵)	یونانی بھاگ	انڈج - سویدج - اُدبھج	جرایُج	؍؍
(۱۶)	مکتی وبھاگ	سالوکیا سامیپیا سارُوپیہ	سایُجیہ	؍؍
		وغیرہ وغیرہ وغیرہ		

یہ تقسیم خاص خاص نظر سے کہی گئی ہے۔ تاکہ وچار کو پھیلنے کا موقعہ ملے۔ کہیں جیو ورشٹی سے کہیں دیو ورشٹی سے اور کہیں برہم۔ رشٹی سے کام لیا گیا ہے۔ وعلیٰ ہذالقیاس۔ چوتھا پد سب کا نیچے کے تین پدوں سے اونچا اور سب کو اپنے اندر شامل کرنے والا اور سب سے نیارا ہے۔ اگر ان کو کھنڈن کرنے کی ورشٹی سے دیکھا جائے گا تو ان ہی پیغاموں میں بہت جگہ اُن کے برخلاف الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو بات جس نظر سے کہی گئی ہے۔ جب ویسے ہی دیکھی جائے تب تو کچھ سار ملتا ہے۔ اور اگر صرف لفظوں تک نگاہ رکھی جاتی ہے۔ تو پھر لفظوں میں موت ہے۔ زندگی تو صرف سخن کی سپرٹ میں ہے غرض کہنے کی صرف یہ ہے کہ تین حالتوں کو اچھی طرح سمجھ کر چوتھے کی طرف جانا چاہئے۔ یہ چوتھا پد ہر ایک میں ہے۔ اور اسی بھومیکا کے خیال اور لحاظ سے ہے۔ بھومیکا یا استھان کو سوچ کر نتیجہ نکالنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ ظاہری علم کا رقبہ اس وقت تک صرف تین پد تک ہے۔ حالانکہ سب میں چوتھا پد موجود ہے۔ اور وہ چوتھا پد سب کا آدھار ہے۔ ویدانت کا چوتھا پد وہ ہے جسکی سنتوں نے تعلیم دی ہے۔

تین چھوڑ چوتھا پد دیکھا
ست نام ست گورو گت چینھا

سینتیسواں پیغام

صلائے عام

شبد (۱)

ہنسی! چھالو۔ دودھ اور پانی

(۱) چھوڑو نیر پیو پے سارا۔ بس دن رہو اگھائے نی آسودہ ہوئے
(۲) رنگنی عشق سے گھٹ میں بیٹھو۔ سورت شبد سمانی (پانی امرت دودھ)
(۳) کھان پان ندرا تج آلس۔ سن لے ادھر کہانی
(۴) بہر اوسر نہیں ہاتھ پڑے گا پھر مو چارو کھانی
(۵) گورو کا کہنا مان سکھی ری۔ دیت سکھاپن جانی (تعلیم)
(۶) پانچوں اندری الٹی تالو - اچھیا مار بھوانی
(۷) من کو سادھ چڑھو گگنا پر۔ سنو اناحد بانی (آسمان)
(۸) شور ہوت تیرے گھٹ کے بھیتر۔ تو کیوں رہے السیانی (ہمت ست)
(۹) رادھاسوامی پیرت تو کو۔ کہہ کر امرت بانی

شبد (۲)

ہنستی اکیوں بپوے تو پانی

(۱) ساگر گنبھیر کھرا گھٹ بیتر - پیو سوہت کو تانی
(۲) جگ کو دھار دھنسو گھٹ اندر - مندر پر کھول نشانی
(۳) گورو مورت تو دھار ہیئے بیچ - من سنگ کیوں پھرت نمانی
(۴) تیرا کاج کریں گورو پورے - سن لے انحد بانی
(۵) کرم بھرم میں سب جگ بھرا تو کیوں ہوت دیوانی
(۶) سرت سمھار کر ست سنگت - کیوں لیتی امرت سانی
(۷) تیرا دھام ادھر میں پیاری - کیوں دھر سنگ بندھانی
(۸) جلدی کرو چڑھو او پنچے کو - رادھاسوامی کہت بکھانی

- - - ۰ - - -

شبد (۳)

(۱) چکر کے بیچ میں کنول اٹی پھولیا - تا سو کا سکھ کوئی سنت جانے
(۲) قفل نو دوار اور پون کا روکنا اتر گئی مدھیہ میں جھنور آئے
(۳) شبد کی گھور گھیوں اور بنی ہوت ہے ادھر دریا ہو کا سکھ مانے
(۴) کہیں کبیر یوں جھول سکھ سندھ میں جنم مرن کا بھرم بھگانے

- - - ۰ - - -

شبد (۴)

ہے سب میں سب ہی سے نیارا

(۱) جیو۔ جنتو۔ جل تھل۔ سب ہی میں شبد بیاپت بولن ہارا
(۲) سب کے نکٹ دور سب ہی سے۔ جن جیسا من کینھ بچارا
(۳) سار شبد کو جو جن پاوے۔ سو نہیں کرت نیم آچارا
(۴) کہیں کبیر سنو بھائی سادھو۔ شبد گہے سو ہنس ہمارا

. . . . . ❁ . . . . .

شبد (۵)

بن ستگور۔ نر پھرت۔ بھولانا

(۱) اونچ نیچ لگ دھیرج ناہیں۔ تا سو پھرے الست دیوانا
(۲) کیہر سُت لے الو گڈریا۔ پال پوس اُن (اسے سوچ) کیں سیانا
(۳) کیرت (خیر گاچہ) کلول رہت اجین سنگ۔ آپن مرم اُن ہو نہیں جانا
(۴) کیہر یک جنگل تے (طیل) آیو۔ تا ہی (بکری) دیکھ بہتے رسیانا
(۵) پکڑ کے بھید ترت (بہت) نج دینا۔ آپن وسا دیکھ مُسکانا (غصہ ہوا)
(۶) جیسے کورنگ بیچ (چلد) بست باسنا۔ وہ مورکھ ڈھونڈے چوگانا
(۷) کر وشواش من ہی من دیکھے (ہرن) یہ سوگندھ دھوں کہاں بسانا
(۸) اکو جھا آدھ بیچ لگن لگی ہے روپ چھیکو نہیں جات بکھانا

(۹) کہیں کبیر سنو بھائی سادھو! اُلٹی راہ سہج متا نا

۔۔۔۔ ۔ ۔۔۔۔

شبد (۶)

ابدھوا بھجن بھید ہے نیارا

(۱) کیا گائے کیا لکھ بتلائے۔ کیا بھرمے سنسارا
کیا سندھیا۔ کیا تَرپن کینہے۔ جو نہیں تتو بچارا
(۲) موند مونڈائے۔ جٹا رکھائے کیا تن لائے چھارا
کیا پوجا پاہن کی کینہے۔ کیا پھل کیئے آدھارا
(۳) بن پرچے صاحب ہو بیٹھے۔ وشے کرے بیوپارا
گیان دھیان کا مرم نہ جانے۔ باد کرے ہنکارا
(۴) اگم اتھاہ مہا اتی گہرا۔ بیج نہ کھیت لوا را
مہا سو دھیان مگن ہوئے بیٹھے۔ کاٹ کرم کی چھارا
(۵) جن کے سدا اہار نت ہیں۔ کیول ست وچارا
کہیں کبیر سنو ہو گورکھ! تارو‌ں سہت پروارا

۔۔۔۔ ۔ ۔۔۔۔

شبد (۷)

من مگن ہوا۔ تو کیا بولے

(۱) سنت کی لہری وصرت اگاڑی (آگے) بھر بھر پیوے امولے
(۲) ہنسا چاہت مان سرودر تال تلیا کیا ڈولے
(۳) کروا آہوئے گورو ہو بیٹھے۔ ہلکا ڈگ نگ کر ڈولے
(۴) کہت کبیر سنو بھائی سادھو! تا پر نینا کیا کھولے

.... ❁ ....

شبد (۸)

من مست ہوا تب کیا بولے

(۱) ہیرا پائے گانٹھ گٹھیایو ۔ بار بار واکو کیوں کھولے
(۲) ہلکی تھی جب چڑھی ترازو ۔ پوری بھئی تب کیوں تولے
(۳) سرت کلاری بھئی متواری ۔ مدوا پی گئی بن تولے
(۴) ہنسا پلے مان سرودر ۔ تال تلیاں کیوں ڈولے
(۵) تیرا صاحب ہے گھٹ ماہیں ۔ باہر نینا کیوں کھولے
(۶) کہیں کبیر سنو بھائی سادھو! صاحب مل گئے تل اوٹے
اوٹ

.... ❁ ....

شبد (۹)

گگن توری اوٹ نشانہ ہو
(توڑ دیا پردہ)

(۱) دہنے سورج چندر ماں بائیں تن کے بیچ چھپانا ہو
(۲) تن کی کمان سرت کا رودا شبد بان لے تانا ہو
(۳) مارت بان بیدھا تن ہی تن ستگور کا پروانا ہو
(۴) مارے بان گھاؤ نہیں تن میں جن لاگا تن جانا ہو
(۵) کہیں کبیر سنو بھائی سادھو! پرکھی جن من مانا ہو

...

شبد (۱۰)

گورو ہمیں سجیوں مور دئی

(۱) جل تھوڑا برشا بھئی بھاری چھائے رہی سب لال مئی
(۲) چھن چھن پاپ کٹن جیسے لاگے باڑھن لاگی پریت نئی
(۳) امرا پور میں کھیتی کیتھا ہیرا ٹل تے بھینٹ بھئی
(۴) کہیں کبیر سنو بھائی سادھو من کی ڈبدھا دور بھئی

...

شبد (۱۱)

گورو نے موہے دینی عجب جڑی

(۱) سو جڑی موہے پیاری لگت ہے۔ امرت رسن بھری
(۲) کایا نگر عجب یک بنگلہ۔ تا ہیں گپت دھری
(۳) پانچوں ناگ پچیسوں ناگن۔ سونگھت تُرت مری
(۴) یہ کارے نے سب جگ کھایو۔ ستگورو دیکھ ڈری
سا ہینی

......٭......

شبد (۱۲)

اے ان دونوں راہ نہ پائی

(۱) ہندو اپنی کرے بڑائی ۔ گاگر چھوؤں نہ دیئی
بیشیا کے پائیں تر سووے۔ یہ دیکھو ہندوائی
(۲) مسلمان کے پیر اولیا ۔ مُرگی مُرگا کھائی
خالا کے ری بیاہیں بیٹی ۔ گھر ہیں کریں سگائی
(۳) باہر سے ایک مُردہ لائے۔ دھوئے دھائے چڑھوائی
سب سکھیاں مل جیون بیٹھیں۔ گھر بھر کرے بڑائی
(۴) ہندو کی ہندوائی دیکھو ۔ ترکن کی ترکائی
کہیں کبیر سنو بھائی سادھو اکون راہ ہوئے جائی

شبد (۱۳)

سادھو اسیجے کایا سودھو

کرتا آپ ہیں کرتا ۔ لکھ من کو پر بودھو

(۱) جیسے بٹ کا بیج تا ہی ہیں ۔ پتر پھول پھل چھایا

کایا مدھے بند براجے ۔ بند رے مدھے کایا

(بوند) (درمیان)

(۲) اگنی پون پانی پرتھوی نبھ ۔ تا بن میلا ناہیں

قاضی پنڈت کرو نبیرا ۔ کو نہیں سائیں ماہیں

(۳) سانچے نام اگم کی آسا ۔ ہے واہی میں سانچا

کرتا بیج لئے ہے کھیتے ۔ ترگن میں تت پانچا

(۴) جل بھر کنبھ جلے بیچ دھریا ۔ باہر بھیتر سوئی

ان کو نام کہن کو ناہیں ۔ دوجا دھوکا ہوئی

(گھڑا)

(۵) کٹھن پنتھ ستگور کا ملنا ۔ کھوجت کھوجت پایا

یک لگ کھوج مٹی جب دبدھا ۔ نا کہوں گیا نہ آیا

(۶) کہیں کبیر سنو بھائی سادھو استیہ شبد نج سارا

آپا مدھے آپے بولے ۔ آپے سرجن ہارا

شبد (۱۴)

ہم تو ایک ہی کر جانو

(۱) دوے کہے تینہی کو دبدھا ہے۔ جن ست نام نہ جانو
(۲) ایکے پون ایک ہی پانی - ایکے جوت سمانو
(۳) ایکے مٹی کا گھڑا گھڑ بیلا ایکے کوہرا سانو
(۴) مایا دیکھ کے جگت لبھانو کاہے نر گربانو
(۵) کہیں کبیر سنو بھائی سادھو گورو کے ہاتھ کلھے نہ کانو

.... ٭ ....

شبد (۱۵)

(۱) گورو بن داتا کوئی نہیں۔ جگ مانگن ہارا
تین لوک برہمانڈ ہیں۔ سب کے بھرتا را
(۲) اپر آدھی تیرتھ چلے - کیا تیرتھ تارے
کام کرودھ مد نا مٹا۔ کیا دیہہ پکھارے
(۳) کاغذ کی نو کا بنی بیچ لوہا بھارے
شبد بھید جانے نہیں مورکھ پچ ہارے
(۴) پنچ منو رتھ پیا ملے۔ گھٹ بھیا اجیارا
ستگورو پار اتار ہیں۔ سب سنت پکارا

(۵) پاہن کو کیا پوجے پاہن کیا پاوے
پتھر
لٹ سٹ کے پچل گھر ٹیں جو سادھو جاوے
(۶) کبیر بچارے کے نر اندھ کھیل ڈولے
اندھے کو سوجھے نہیں گھٹ ہی میں بولے

... ❁ ...

شبد (۱۶)

اس گگن گپھا میں اجر جھرے
(۱) ترکٹی میں ریک باجا باجے جھنک رنک جھنکار کرے
(۲) جت چندا اجیاری ندسے - جہاں نہال ہنسا نجر پرے
(۳) دسویں دوارے تاڑی لاگی - الکھ پورش جا کو دھیان دھرے
(۴) کہیں کبیر سنو بھائی سادھو امر ہوئے کبھوں نہ مرے

.... ❁ ....

شبد (۱۷)

پاچک گیانی بنک دیکھے لاکھ گیانی کوئی لیکھے لیکھے
گیانی بگڑے وشئی ہو گئے کتنے ایک ادھ چالے دو کے
بڑے کرم اور کون جت لاؤ سکے بھلے کرم کون سبھار دیے
وشے باسنا کے رنگ راتے چھوٹ کپٹ چھل بل دھاتو

اندری بس من ہاتھ نہ آوے ٭ پاپ کرن سوں ناہیں وڑاوے
گیان کتھے اور باد بڑھاوے ٭ رہن گہن کا بھید نہ پاوے
برہم ورتی کا آدن بھاری ٭ چرنداس سکھ دیو بچاری

دوہا

گیان وسا آدن کٹھن برلا جانے کوئے
گیان وسا جب جانئے جیوت مرتک ہوئے

شبد (۱۷)

(۱) کوئی سنتا ہے گورو گیانی۔ گگن ہیں آواز ہوتی جھینی
(۲) پہلے ہوت ناد بندو سے پیچھے جما یا پانی
(۳) سب گھٹ پورن پور رہا ہے آدی پرش نربانی
(۴) جو تن پایا پٹا لکھایا۔ ترشنا نہیں بجھانی
(۵) امرت چھوڑ وشے رس چاکھا الٹی پھانسی پھنسانی
(۶) انا گس سو سنگ باجا باجے۔ ترکٹی سرت سمانی
(۷) اپڈا پنگلا سو شمن سو دھے۔ سن دھجا پھہرانی
(۸) وید پد یہ ہم نظروں دیکھا۔ اجیا امر نشانی
(۹) کہیں کبیر سنو بھائی سادھو آدی شبد کی بانی

.......٭.......

شبد (۱۸)

سُگوا پنجڑوا چھوڑ کر بھاگا

لھوٹا

(۱) اس پنجڑے میں دس درواجا دسوں درواجے کوڑوا لاگا

(۲) آنکھیں سے نیر بہن لاگیو اب کس ناہیں تو بولت ابھاگا

(۳) کہت کبیر سنو بھائی سادھو اُڑ گیو ہنس ٹوٹ گیا تاگا

. . . . . ❊ . . . . .

شبد (۱۹)

بھُور نہیں آؤ نا یا دیس

(۱) جو جو گئے بہر نہیں آئے۔ پٹھوت ناہیں سندیس

(۲) سر نر منی اور پیر اولیا۔ دیوی دیو گنیس

(۳) دھر دھر جنم سبے بھرمے ہیں برہما وشنو مہیس

(۴) جوگی جنگم اور سنیاسی دیگمبر درویس

(۵) چُنڈت مُنڈت پنڈت لوئی سورگ رساتل سیس

(۶) گیانی گُنی چتُر اور کبتا۔ راجہ رنک نرلیس

(۷) کوئی رحیم کوئی رام بکھانے۔ کوئی کہے آدیس

(۸) نانا بھیس بنائے سبے مل۔ ڈھونڈ ھ پھرے چھُوں دیس

(۹) کہت کبیر انت نہ ہیو۔ بن ستگورو اُپدیس

شبد (۲۰)

ہمارے من کب بھجی ہو۔ گورو نام

(۱) بال نبا جنمت ہی کھو لو۔ جوانی ہیں بیا پا کام
بوڑھے بھئے تن تھاکن لاگے۔ لٹکن لاگے چام
(۲) کان بہر بھئے نین نہ سوجھے بھئے دانت بے کام
گھر کی تریا بمکھ ہوئے بیٹھی پتر کٹو کل کان
(۳) کھٹیا سے بھیّاں کر دیکھو۔ جسم کا گڑا نشان
کہت کبیر سنو بھائی سادھو۔ دبدھا میں گئست پران

۔۔۔۔۔۔ ؏ ۔۔۔۔۔۔

شبد (۲۱)

جن کے نام نا ہے ہئے

(۱) کیا ہو وے گل مالا ڈالے۔ کہا سمرتی لئے
(۲) کیا ہو وے پستک کے بانچے کہا سنکھ دھن دیئے
(۳) کیا ہو وے کاشی ہیں بس کے۔ کہا گنگا جل پیئے
(۴) ہو وے کہا برت کے راکھے۔ کہا تلک سر دیئے
(۵) کہیں کبیر سنو بھائی سادھو۔ جاتا ہے جنم لئے

۔۔۔۔۔۔ ؏ ۔۔۔۔۔۔

شبد (۲۲)

سُمرن بن غوطہ کھاوے گا

(۱) مٹھی باندھے گربھ سے آیا ہاتھ پسارے جاویگا
(۲) جیسے موتی پھرت اوس کے۔ بیر بھئے جھر جاویگا
(۳) جیسے ہاٹ لگاوے ہٹو۔ سودا بن پچھتاوے گا
(۴) کہیں کبیر سنو بھائی سادھو! سودا لے کر جاویگا

شبد (۲۳)

اپنے گھٹ دیا بار رے

(۱) نام کا تیل سُرت کی باتی برہم اگن اُوگار رے
(۲) جھوٹا جان جگت کا ناتا۔ بار بار بچار رے
(۳) کہیں کبیر سنو بھائی سادھو سنگو نام سدھار رے

پنتھ سندیش ختم ہوا۔

رادھا سوامی دیال کی دیا! راسوامی سہائے!!

گذارش

بتقریب دسہرہ آئندہ ہم نے موجودہ کتابوں کی قیمت اکتوبر ۱۹۳۴ء سے دسمبر ۱۹۳۴ء تک کیلئے ۳/۴ کردی ہے ذیل میں کتابوں کی مختصر فہرست درج ہے جن صاحبوں کو شوق ہو اس موقع سے فائدہ اُٹھائیں اور اپنی پسند اور خواہش کی کتابوں کے نام لکھکر بھیجدیں تاکہ وی پی روانہ کردیجائے۔ اس رعایت سے ست سنگی اور غیر ست سنگی سب کو یکساں طریق پر مستفید ہونیکا موقع ہے

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
یوگ سدھار	۸/	علم وچار	۱۰/
سُکھ سدھار		سفید وچار	۱۰/
نج اپکا سدھار	۸/	آشچریہ وچار	۱۰/
پرمارتھ سدھار		چٹکل وچار	۱۰/
برُدھی سدھار	۱۰/	رادھاسوامی یوگ	۶/ ۸/
نوجیون سدھار	۱۰/	نانک یوگ	۶/
وچار سدھار	۸/	سہج یوگ	۶/ ۸/

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
ست سنجوگ حصہ اول	عہ/	راج بھگتی میرا بائی	۲/
" " دویم	۱۳/	سندھ دولیش کے قصے	۱۰/
" " سویم	۱/	ملتان کے قصے	۱۰/
" " چہارم	عہ/	قصہ ابراہیم ادہم	۴/
" " پنجم	عہ/	آبدار موتی	۴ہ/
سمرت شبد لوک کلپدرم	۸/	بھنڈار معنی	۳ہ/
ادوھوت گیتا	۱۰/	اوم . . .	۱۲/
خمکدہ تخیلات	۱۰/	کبیر ساکھی	۱۰/
خمخانہ خیالات	۱۰/	کبیر شبداولی	۸/
خمخار عرفاں	۱۰/	کبیر اور کبیر پنتھ	۴/
خمکدہ سرشار	۱۰/	ویدانت کی پہلی کتاب	عہ/
جام مستی	۱۰/	پنج دشی	۶/
شبد گنجار	۶/	گیان پرکاش ودے	۱۲/
بھگت مال	۸/	پریم گیان پرکاش	۸/
سنت مال	عہ/	یوگ گیان پرکاش	۱۲/
شاہی بھگت	۸/	ایشور گیان پرکاش	۱۲/
راج بھگت	۶/	بچن سار حصہ اول	۸ہ/

جون جولائی اگست

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
بچن سار حصہ سوئم	۱۰/	رادھا سوامی نام	عہ/
״ ״ چہارم	۱۲/	چوتھا پد	عہ/
اُپ نشد بھاشیہ بھومیکا	للعہ/	تشریح چتاؤنی رادھا سوامی	عہ/
ایشں اُپ نشد	۲/	تشریح ہدایت نامہ	
کین اُپ نشد	۸/	سار بچن	عا/
کٹھ اُپ نشد	۸/	آنند یوگ	عہ/
منڈک اُپ نشد	۸/	رادھا سوامی مت کی اصلی تعلیم ...	عہ/
گایتری کا رہسیہ	۸/	نظایر قانون روحانی	۸/
مانڈوکیہ	۸/	[illegible] کا فلسفہ	عہ/
تیتریہ اُپ نشد		[illegible]دھیان بھجن	
آتریہ اُپ نشد		[illegible]ی مکمل تفسیر	عہ/
سوتیا سوتیر اُپ نشد		شبد پرسنگ کتھا پرسنگ بچن پرسنگ	عا/
ستری اُپ نشد		ففظ آواز یا سلطان الاذکار	۸/
کوشتکی اُپ نشد	۸/		
[illegible]ح سنتی سنہتا اُپ نشد	۸/		
[illegible]روحانیت حاصل کرنے کا [illegible]سان طریقہ	عہ/		